سلسلہ اشاعۃ العلوم نمبر ۹۸

ان الدین عند اللہ الاسلام

از افادات سراپا برکات حقائق آگاہ معارف دستگاہ عارف باللہ مولانا مولوی
حاجی حافظ محمد انوار اللہ خان مغفور قدس سرہ المخاطب بنواب فضیلت جنگ سابق
معین المہام امور مذہبی ممالک محروسہ سرکار عالی

مقاصد الاسلام

حصہ پنجم

حسب الحکم
عالیجناب فضیلت مآب مولنا محمد حبیب الرحمن خان صاحب شروانی صدر الصدور
میر مجلس اشاعۃ العلوم

باہتمام مولوی حافظ محمد ولی الدین صاحب فاروقی مہتمم مجلس اشاعۃ العلوم حیدرآباد دکن صانہا اللہ عن الشرور والفتن

مفید دکن پریس میں طبع ہوا

طبع ثانی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین

اما بعد مقاصد الاسلام کے حصۂ سیوم میں شمس العلما مولوی شبلی صاحب کا خیال ظاہر کیا گیا تھا کہ فلسفہ اور تصوف کے ڈانڈے ایک جگہ ملتے ہیں۔ شاید بعض مصنفین کے لحاظ سے انہوں نے فرمایا ہوگا جن کے نزدیک عبادت الٰہی کی ضرورت نہیں ورنہ کجا فلسفہ اور کجا تصوف دونوں میں کسی قسم کا تعلق نہیں کیونکہ تصوف اوس علم کا نام ہے جس میں صرف وہ امور مذکور رہتے ہیں جو تقرب الی اللہ کے باعث ہوں اور لوازم تصوف اپنے

سخت واقع ہوئے ہیں کہ اہل فلسفہ اون کو سُن لیں تو گھبرا جائیں۔

اوائل میں جو اہل تصوف تھے وہ زینت اور زرق وبرق کو ترک کر کے صرف صوف یعنی کمبل پر قناعت کرتے تھے۔ اس لئے اون کا نام ہی صوفی ہو گیا۔

یہ بات پوشیدہ نہیں کہ آدمیوں کے طبائع مختلف ہوتے ہیں بعض غیور طبع ایسے بھی ہیں کہ بھوکے رہیں گے مگر ذلت کی نوکری اور ذلیل پیشہ نہ کریں گے۔ ہمیشہ اون کی ہمت اِسی میں مصروف رہتی ہے کہ سلاطین کا تقرب حاصل کریں اور انہی کی خدمت میں رہیں اس کے واسطے اون کو بڑی بڑی مشقتیں اوٹھانی پڑتی ہیں اور اون افعال سے محترز رہتے ہیں جو سلاطین کے نظروں میں اون کو خوار و ذلیل کریں۔ آخر شدہ شدہ بحسب نیکنامی وسعی اور علو ہمت فائز المرام ہو کر دنیاوی وجاہت حاصل کرتے ہیں۔

اسی طرح اِسلامی دنیا میں بھی بعض غیور طبع عالی ہمت اپنے ہم جنس مخلوق کی خدمت کو عار اور اپنے خالق کی عبادت کو باعث افتخار سمجھتے ہیں ہمیشہ وہ تقرب الٰہی کے ذرائع تلاش کرتے رہتے ہیں اور اون اخلاق و افعال اور اوصاف و عادات

کو جو خالق عزّ وجل کے خلاف مرضی ہیں، ترک کر کے اون فضائل کو حاصل کرنے میں ساعی رہتے ہیں۔ جن میں خالق عزّ وجل کی رضا مندی متصور ہے۔ غرض کہ ہر وقت اون کا دلی تعلق انہی امور کی طرف لگا رہتا ہے اس لئے وہ اپنے نفسانی خواہشوں کو پورے نہیں کر سکتے۔ بلکہ فقط ضروریات پر اکتفا کر لیتے ہیں۔ مثلاً کھانا جس قسم کا اور جب ملگیا کھا لیا اور کپڑا جس قسم کا ملگیا پہن لیا خصوصاً کمبل چونکہ ارزاں اور دیرپا ہوتا ہے اوس کو بہت شوق سے وہ پہنتے ہیں تاکہ بار بار دھونے اور بدلنے کی ضرورت نہو اور اگر وہ پھٹ جائے تو کپڑا یا چمڑا جو مل گیا اوس کا پیوند لگا لیتے ہیں جس سے سالہا سال ایک ہی کمبل میں اون کی گذر ہو جاتی ہے اس قسم کے لوگ ابتدائے زمانہ میں صوفی یعنی کمبل والے کہلاتے تھے۔ یہ نام صرف شناخت کے لئے لوگوں نے ٹھیرا لیا تھا جو رفتہ رفتہ اون کا لقب ہی ہو گیا اور اوسی سے لفظ تصوف ماخوذ ہے۔ مگر اصل تصوف وہ ہے جس سبنے اونکو اس حالت ظاہری پر مجبور کیا تھا اور صوفی وہی ہوگا جس کو وہ حالت نصیب ہو۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

من عاش فی ظاھر الرسول فھو سنی ومن عاش فی باطن الرسول فھو صوفی رواہ ابو نعیم فی الحلیۃ

یعنے جو ظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہو وہ سُنّی ہے اور جو باطن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق زندگی بسر کرے وہ صوفی ہے انتہے۔

اہل بصیرت پر ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا باطن حق تعالےٰ کے صفات کمالیہ کا آئینہ بنا ہوا تھا کوئی وقت ایسا نہیں گذرتا تھا جو یاد الٰہی سے خالی ہو حق تعالےٰ فرماتا ہے واذکر ربک اذا نسیت یعنے اپنے رب کو یاد کرو جب بھول جاؤ۔ اس آیت کا اصلی مقتضے یہی ہے کہ اِدھر نسیان آیا اودھر یاد الٰہی شروع ہو گئی۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ نسیان بالکل ممتد نہونے پائے۔ پھر کیونکر ہو سکتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی زمانہ ایسا گذرے جو یاد الٰہی سے آپ غافل ہوں۔ اب کہئیے کہ جب ہر وقت یاد الٰہی اور اس کے صفات جمالیہ وجلالیہ کا تصور لگا رہے تو کیا ممکن ہے کہ آدمی سے دوسرا کام ہو سکے۔ اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات پر نظر ڈالی جائے تو صاف معلوم ہو گا کہ جو کام

آپ کرتے تھے اوس میں سوائے خدائے تعالےٰ کی یاد اور مشاہدہ اور
رضا جوئی کے اور کچھ مقصود نہیں ہوا کرتا تھا کسی کام میں دنیا سے
آپ کو کوئی تعلق نہ تھا جس کی تصریح خود نے کئی بار فرمادی ہے
جب حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے ارشاد سے یہ ثابت
ہے کہ صوفی کا باطن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے باطن کا تابع
ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ صوفیہ کے باطنی حالات علی قدر مراتب
وہی ہوں گے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے ۔ غرض کہ ہمیشہ
یاد الٰہی میں رہنا صوفیہ کا فرض منصبی ہے اور اوس سے اون پر
یہ منکشف ہوجاتا ہے کہ حق تعالےٰ کو ایجاد عالم سے مقصود بالذات
اپنی معرفت تھی اسی وجہ سے کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ تعالےٰ کو
نہیں پہچانتی ہو جیسا کہ اس آیۂ شریفہ سے ظاہر ہے وان من
شیء الا یسبح بحمدہ یعنے ہر چیز خدائے تعالےٰ کی تسبیح اور
حمد کرتی ہے ۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز حق تعالےٰ
کو تمام عیوب سے منزہ اور قابل حمد تسلیم کرکے تسبیح و تحمید کرتی ہے
یہی معرفت ہے مگر معرفت کے اقسام اور مدارج متفاوت ہیں
ہر ایک چیز میں خاص خاص قسم کی معرفت کی صلاحیت رکھی گئی اور
جن وانس میں اعلیٰ درجہ کی صلاحیت ہے کیونکہ اون میں وہ صفات

معرفت نباتات و جمادات

معرفت الٰہی

ودیعت رکھے گئے ہیں کہ دوسروں میں نہیں۔ اور قاعدہ کی بات ہے
کہ جس میں جو صفت کمال ہوگی اوسی صفت کو خدائے تعالے کیلئے
تسلیم کرسکتا ہے دیکھئے مادرزاد نابینا خدائے تعالے کو بصیر کبھی نہیں
سمجھ سکتا کیونکہ اوسکو خبر ہی نہیں کہ بصارت کیا چیز ہے۔

غرضکہ معرفت الٰہی ان صفات کی وجہ سے جو انسان کو حاصل
ہوسکتی ہے دوسروں کو نہیں ہوسکتی۔ یہی وجہ اوس کی فضیلت کی
ہے جس سے تمام اشیاء اوس کے لئے پیدا کئے گئے ہیں کما قال اللہ
تعالے وخلق لکم ما فی الارض جمیعًا اور تمام عالم اوس کیلئے
مسخر کیا گیا کما قال اللہ تعالے وسخر لکم ما فی السمٰوات
وما فی الارض جمیعًا منہ چنانچہ اس کا حال مقاصد الاسلام
کے حصۂ اوّل میں لکھا گیا ہے پھر اوس کو عقل ایک ایسی چیز دی گئی
ہے کہ اپنا نفع و ضرر جو سردست ہو یا آئندہ ہونے والا ہے اوسکے
ذریعہ سے بخوبی معلوم کرسکتا ہے۔

یہاں سے جزا و سزا کی تمہید ہوئی۔ پھر اوسکو نفس دیا گیا جس میں
کئی قسم کی خواہشیں رکھی گئیں جن کے حاصل کرنے سے اوسے
نہایت لذّت ملتی ہے۔

یہاں سے ابتلا کی بنیاد پڑی کہ دیکھیں ان لذائذ میں عقل کو بیکار

جزا و سزا

اگر دیتا ہے یا کام میں لاتا ہے۔

عقل کا مقتضے یہ تھا کہ آدمی یہ سمجھتا کہ میں خود بخود نہیں پیدا ہوا ضرور ہے کہ کسی ایسے قادر نے مجھے پیدا کیا ہے جو جمیع صفات کمالیہ کے ساتھ متصف ہے اور ان احسانات کے بدلے جو اوسکو علاوہ نعمت وجود کے بے انتہا نعمتیں حاصل ہوئیں اور ہوتی جاتی ہیں شکر الٰہی بجالاتا مگر بجائے اس کے کہ عقل کی نازک خیالیوں سے بقدر طاقت بشری خدائے تعالےٰ کی معرفت حاصل کرتا تلذذات نفسانیہ کے حاصل کرنے میں اوسکو مشغول کر دیا۔ اس لئے خدائے تعالےٰ نے انبیا کو بھیجا تاکہ معرفت اور عبادت کی طرف اونکو مائل کریں اونھوں نے خدا کا پیام پہنچا دیا کہ دیکھو تمہارے پیدا کرنے سے مقصود الٰہی یہ ہے اوسکو پہچانکر اوس کی عبادت کیا کرو کما قال اللہ تعالےٰ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون اور یہ لذائذ اور عمدہ عمدہ چیزیں جو اس عالم میں پیدا کئے ہیں جن سے تم لذتیں حاصل کرتے ہو اوس عالم کا نمونہ ہے جہاں تمہیں مرنے کے بعد جانا ہے اگر یہاں صرف ضروریات پر اکتفا کرکے عبادت الٰہی کروگے تو تمہیں وہاں جنت ملیگی ورنہ دوزخ۔

جنت کے حالات جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے

ہیں اون میں سے تھوڑے مختصر طور پر کنز العمال اور ترغیب ترہیب
منذری اور مشکوٰۃ شریف سے لکھے جاتے ہیں۔ یہ حدیث کی کتابیں
چونکہ چھپ چکی ہیں اس لئے ہر حدیث کی تخریج نہیں لکھی گئی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جنت کے سو درجے
ہیں ہر ایک درجہ اتنا وسیع ہے کہ اگر تمام عوالم اوس میں جمع
ہوں تو سب کی گنجائش اوس میں ہو جائے جن چیزوں کی نفس کو
خواہش ہو اور آنکھوں کو لذت وہ سب اوس میں مہیا ہیں اور
علاوہ اون کے وہ اشیاء اوس میں موجود ہیں جن کو نہ کسی کے
کانوں نے سُنا نہ آنکھوں نے دیکھا نہ کسی کے خیال میں اونکا گذر ہوا۔

اوس کا وقت ہمیشہ صبح کا سا نورانی اور ٹھنڈا رہے گا۔ وہاں
کبھی رات نہوگی۔

جنت میں چار سمندر ہیں ایک پانی کا دوسرا شراب کا تیسرا
دودھ کا چوتھا شہد کا۔

ان سے نہریں نکلکر تمام مکانات میں تقسیم ہوتی ہیں۔ یہ نہریں
کھُدی ہوئی نہیں سطح زمین پر بہتی ہیں اون کا کیچڑ
مشک خالص ہے اور بجائے سبزی زعفران اور کنکروں کی جگہہ
موتی پڑے ہوئے ہیں اون کے کناروں پر موتی کے خیمے لگے ہیں۔

وہاں کے جھاڑوں کا یہ حال ہے کہ بعضوں کے پیڑ سونے کے ہیں اور بعض کے موتی کے اور شاخیں زمرد اور موتی کے ہیں جب اون پر ہوا بہتی ہے تو اون سے وہ دلکش نغمات سنے جاتے ہیں جن کی نظیر نہیں۔

وہاں کے میووں کا کوئی موسم مقرر نہیں ہر قسم کے میوجات ہر وقت لگے رہتے ہیں جس پھل پر رغبت ہوئی وہ فوراً ٹوٹ کر پاس آگیا اور اوس کی جگہ دوسرا پیدا ہو گیا۔

اسی طرح جس پرندے پر نظر پڑ گئی اور اوس کے شکار کی خواہش ہوئی اوس کا گوشت بھنا بھنایا پیش ہو گیا۔

ایک جھاڑ کو حکم ہوگا کہ جو بندے ہمارے ذکر میں مشغول تھے اور مزامیر و معازف کے سننے سے احتراز کرتے تھے اون کو اپنی خوش آوازی سے مسرور کرو وہ اس خوش الحانی سے حق تعالےٰ کی تسبیح و تقدیس کریگا کہ کسی کے کانوں نے نہیں سُنا۔

اوس کے مکانات کا یہ حال ہے کہ ہر محل میں نہایت سُرخ یاقوت کے ستر گھر ہیں اور ہر گھر میں ستر حجرے نہایت سبز زمرد کے اور ہر حجرے میں ستر تخت جن پر اقسام کے فرش

بچھے ہیں۔ سوائے اس کے ہر باغ میں ایک خیمہ موتی کا ہوگا جس کا طول ساٹھ میل کا ہے۔

جو لوگ جنت میں جائینگے اون کی عمر بتیس ۳۲ سال کی ہوگی یعنے عین شباب اور کمال قوت کا زمانہ اور یہی حالت اون کی ہمیشہ قائم رہے گی اور وہ امرد ہونگے۔

ہر ایک کو حسن یوسفی عطا ہوگا اور ہمیشہ حسن میں ترقی ہوتی رہیگی جنت میں ایک بازار ہے کہ ہر جمعہ کو یعنے سات دن کے مقدار میں ایک بار لوگ اوس میں جائیں گے اوس وقت ایک ہوا چلے گی۔ جس کی تاثیر یہ ہے کہ حسن کو دوبالا کر دیتی ہے۔ جب وہ گھر آئیں گے تو گھر والے تعجب سے کہیں گے کیا بات ہے کہ تمہارا حسن دوبالا ہوگیا وہ کہیں گے ہم بھی یہی دیکھتے ہیں کہ تمہارا حسن بھی دوبالا ہوگیا ہے اور ایک بازار ہے جس میں فقط تصویریں ہونگی جو صورت کسی کو پسند آجائے اوس کی وہی صورت ہوجائیگی غرض کہ حسن میں روزافزوں ترقی رہے گی۔

اون کا لباس نہایت فاخرہ ہوگا چنانچہ تاج کا ادنے موتی ایسا روشن ہوگا کہ اگر وہ دنیا میں ظاہر ہوجائے تو مشرق سے مغرب تک منور کردے۔

مثل سلاطین کے زیور سے بھی وہ نہایت آراستہ و پیراستہ ہونگے اون کا ایک دست بند اگر دُنیا میں ظاہر ہو جائے تو آفتاب کی روشنی اوس کے مقابلہ میں ایسی ماند ہو جائے جیسے تاروں کی روشنی آفتاب کے مقابلہ میں۔

ہزارہا عورتیں ایک ایک جنّتی کے نکاح میں ہونگی جن میں علیٰ حسب مراتب ستّو تک حوریں ہونگی حوروں اور عورتوں کا حُسن خداداد اور نزاکت اور صفائی رنگ اور اون کے لباس اور زیور کی عمدگی بیان سے خارج ہے۔ ادنیٰ صفت اون کی یہ ہے کہ ہمیشہ باکرہ رہیں گی اون میں دو حوریں نہایت خوش آواز ہوں گی جن کا سا حُسنِ صورت اور نغمہ سرائی نہ کسی آدمی نے سُنا ہے نہ جن نے۔

ہر جنّتی کو سو آدمیوں کی قوت اکل و شُرب و جماع کی دیجائیگی کتنا ہی کھائے پیئے ایک ڈکار اور تھوڑا سا پسینہ آتے ہی پھر اشتہا کامل ہو جائے گی۔ اور وقت واحد میں سو باکرہ کا بکر زائل کر سکے گا ادنیٰ جنّتی کی نظر کا یہ حال ہوگا کہ اوس کے کل باغ اور بیویاں اور خدّام وغیرہ پیش نظر رہیں گے اور اعلیٰ درجے والے ہر صبح و شام وجہ آلہی کا نظارہ کرتے رہیں گے۔

ادنیٰ جنتی کے خدام ستر ہزار ہوں گے کہ ہر ایک ایک ایک کام پر معین ہوگا اور دس ہزار خادم کھانے کے اہتمام پر مقرر ہونگے ہر ایک کے ہاتھ میں دو رکابیاں ہونگی اور ہر رکابی میں نئے نئے قسم کا کھانا جس میں ہر ایک کا ذائقہ دوسرے کے ذائقہ سے جدا ہوگا یعنے ہر وقت بیس ہزار قسم کے مختلف کھانے مہیا ہونگے اور مزہ یہ کہ کھانے والے کے ذائقہ میں اوّل سے آخر تک فرق نہ آئیگا بخلاف دنیا کے کہ سیری ہوتے ہی کیسا ہی لذیذ کھانا پیش کیا جائے خوش ذائقہ نہیں معلوم ہوتا بلکہ ایک طرح کی نفرت ہوتی ہے وہاں ایسا نہ ہوگا۔

پھر تین سو قسم کے شربت پیش کئے جائیں گے جن کے ذائقے مختلف ہوں گے اور التذاذ میں پہلا پیالہ اور آخری پیالہ برابر ہوگا یعنے آخر تک بے رغبتی نہ ہوگی۔

اہل جنت جب جنت میں داخل ہوکر اپنے اپنے مکانات میں مقیم ہوجائیں گے تو تخمیناً آٹھ دن کے بعد بارگاہ الٰہی میں سب کی یاد ہوگی۔ دربار میں سونے چاندی موتی یاقوت زمرد اور نور وغیرہ کے منبر اور کرسیاں رکھی جائیں گی اور بحسب مراتب لوگ اوس پر بیٹھیں گے اور حق تعالےٰ کا دیدار اور ہمکلامی ہوگی۔ کسی

شخص کا نام لے کر حق تعالےٰ فرمادیگا کہ کچھ یاد ہے دنیا میں تم نے
فلاں وقت کیا کہا تھا؟ وہ عرض کریگا الٰہی کیا میری مغفرت نہیں
ہوئی ارشاد ہوگا کیوں نہیں۔ مغفرت ہی کی وجہ سے تو یہاں تک
رسائی ہوئی ہے۔ اسی گفت وشنود میں ہونگے کہ ایک ابر نمودار ہوگا جس
عطر اس خوشبو کا برسے گا کہ کسی نے کبھی نہ سونگھا ہو۔ اوسکے بعد
ارشاد ہوگا کہ اب برخاست کرو اور جو جو کرامتیں اور نعمتیں ہم نے
تمہارے لئے مہیا کی ہیں جتنی چاہو لو۔

وہاں سے نکل کر سب بازار کی طرف جائینگے جہاں فرشتونکا
ہجوم ہوگا اوس میں اقسام کی نعمتیں ہونگی جن کا مثل نہ کسی آنکھ نے دیکھا
نہ کسی کان نے سُنا نہ کسی کے دل میں اوس کا خیال گذرا۔ وہاں بیع
وشرا نہوگی بلکہ عام اجازت ہوگی کہ جس کا جو جی چاہے لے لے۔
اس مقام میں جنّتی ادنیٰ اعلیٰ ایک دوسرے سے ملاقات کرینگے
اگر کسی کا لباس اچھا معلوم ہوا تو فوراً اپنا لباس بھی اوسی قسم کا
ہوگیا تاکہ ملال نہ آنے پائے کیونکہ جنّت میں غم وحزن کا نام نہیں
جب وہاں سے اپنے گھر آئیں گے تو بیویاں پوچھیں گی کہ کیا وجہ
ہے کہ تمہارا حسن بہ نسبت سابق کے بہت بڑھ گیا ہے وہ جواب
دیں گے کہ ہمیں آج حق تعالےٰ کی مجالست نصیب ہوئی ہے

اوس کا اثر یہی ہونا چاہیئے - پھر ہر جمعہ کے مقدار میں عموماً دیدار الٰہی ہوا کریگا۔ ایک بار حق تعالےٰ فرمائے گا کیا تم راضی ہوے وہ عرض کریں گے الٰہی ایسی ایسی نعمتیں تو نے ہمیں عطا کیں جو کسی کو نصیب نہیں کیا اب بھی راضی نہ ہونگے ارشاد ہوگا ان سب سے بہتر ایک اور نعمت ہم تمہیں دیتے ہیں۔ عرض کرینگے الٰہی ان سے بہتر کونسی نعمت ہوگی ارشاد ہوگا کہ ہم تم سے راضی ہوے اور کبھی تم پر غصّہ نکریں گے اس سے بے انتہا اہل جنّت کو خوشی ہوگی

جنّتی جب اپنے احباب کی ملاقات کے مشتاق ہونگے تو کبھی تخت اون کو لے اُڑینگے اور اگر چاہیں تو گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار ہونگے جو اون کو فوراً وہاں پہونچا دیں گے - پھر ملاقات میں دُنیا کے واقعات اور اپنی اپنی سرگذشتیں بیان کرینگے۔

جنّت میں آدمی ہر قسم کی خواہش پوری کرسکتا ہے اگر کسی کو اولاد کی خواہش ہو تو ایک ہی ساعت میں حمل اور زجگی ہو کر لڑکا سن رشد کو پہونچ جائے گا۔ کسی کا خیال زراعت کا ہو تو بیج بوتے ہی جھاڑ نکل آئینگے اور غلّہ اون میں پیدا ہو جائے گا اور خشک ہو کر قابل درو بن جائے گا اور پہاڑوں کے برابر ڈھیر لگ جائیگا غرض کہ جس چیز میں تلذذ اور نفس کی خواہش ہو وہ سب

وہاں مہیا ہیں حق تعالےٰ فرماتا ہے وفیھا ما تشتھیہ الانفس وتلذ الاعین وانتم فیھا خالدون اور پاخانہ پیشاب اور نیند وغیرہ چیزیں جو عیش میں خلل انداز ہوتی ہیں جنت میں نہونگی۔

یہ جنت کا حال تھا۔ اب دوزخ کا بھی تھوڑا سا حال سن لیجئے جو قرآن شریف اور احادیث میں وارد ہے۔ یہ روایتیں بھی کتب مذکورہ ہی سے لکھی جاتی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آتش دوزخ کی حرارت اس شدت کی ہے کہ دنیا کی آگ کی حرارت سے اُنہتر حصہ زیادہ ہے یا یوں سمجھو کہ حرارت کے ستر حصے کئے گئے ایک حصہ دنیا کی آگ کو ملا اور باقی وہاں کی آگ کو اگر سوئی کے ناکے کے برابر دوزخ سے سوراخ ہوجائے جس سے وہاں کی حرارت زمین پر آسکے تو اوتنی ہی حرارت سے تمام زمین کے رہنے والے ہلاک ہوجائیں اوس کا رنگ نہایت سیاہ ہے جیسے شب دیجور۔

دوزخ اتنی گہری ہے کہ اوس کے کنارے پر سے ایک پتھر اوس میں ڈالا جائے تو ستر برس گذر جانے پر بھی تہ تک نہ پہونچیگا۔

اوس میں ایک پہاڑ ہے جس کا نام صعود ہے اوس پر چڑھنے کے لئے دوزخی مجبور کئے جائیں گے جب وہ اوس پر ہاتھ یا پاؤں ٹیکیں گے تو وہ پگل جائیں گے اور جب اوٹھائیں گے تو پھر پیدا

ہو جائیں گے۔ اس میں پیپ اور لہو کے بڑے بڑے تالاب ہیں۔
دوزخیوں کی بھوک اس بلا کی ہوگی کہ کوئی ایک عذاب اوس کے برابر
نہوگا۔ جب بھوک سے فریاد کریں گے تو ضریع کھلائی جائیگی جو زہریلی
کانٹے دار ایک بوٹی ہے پھر فریاد کریں گے تو ایسی چیز کھلائی جائیگی
جو حلق میں پھنسے اوس وقت اون کو خیال آئیگا کہ ایسی غذا دنیا میں
پانی سے اوتاری جاتی تھی تو پانی طلب کریں گے۔ تب گرم پانی لوہے
کی اکوڑیوں کے ذریعہ سے اون کو پلایا جائیگا اوس کی گرمی اس
شدت کی ہوگی کہ منہ کے قریب پہونچتے ہی سر اور منھ کا چمڑا
گل کر گر پڑیگا۔ اور جب وہ پیٹ میں پہونچیگا تو آنتیں کٹ کٹ کر
گرینگی اور کبھی زقوم پلایا جائیگا۔ جس کی یہ کیفیت ہے کہ اگر دنیا میں
اوس کا ایک قطرہ ٹپک جائے تو تمام روے زمین کے لوگوں کی
زندگی تلخ ہو جائے اور اگر سمندروں میں ڈالا جائے تو تمام پانی
خراب ہو جائے اور کبھی ایسا پانی پلایا جائے گا کہ تیل کی تلچھٹ کی
طرح نہایت گاڑھا اور نہایت گرم ہوگا جس کی بھانپ سے منہ کا
چمڑا نکل پڑیگا۔ کبھی غساق یعنے پیپ پلائی جائے گی جس کا ایک
ڈول دنیا میں ڈالا جائے تو تمام دنیا میں بدبو پھیل جائے۔ دنیا
میں جو سب سے بڑی نعمت والا مالدار مرفہ الحال شخص تھا لایا جائیگا

اور اوسکو دوزخ میں ایک غوطہ دیکر حق تعالے پوچھے گا کہ اے شخص کبھی خیر تو نے دیکھی تھی یا کسی نعمت کا تجھپر گذر ہوا تھا عرض کریگا کبھی نہیں یا رب۔ یعنے اوس مصیبت کی حالت میں نعمت یاد تک نہ آئیگی۔ کافروں کی زبان اتنی لمبی ہو جائے گی کہ لوگ اوس پر چلیں گے۔ حمیم یعنے گرم پانی دوزخیوں کے سر پر ڈالا جائے گا تو وہ مسامات کے ذریعہ سے اندر نفوذ کر کے پیٹ میں جو کچھ ہو اوس کو پگلا کر قدموں کی طرف سے نکالدیگا اور ساتھ ہی وہ چیزیں پھر پیدا ہو جائیں گے۔ کیونکہ مقصود صرف عذاب دینا ہے۔

وہاں کے سانپ بڑے بڑے اونٹوں کے برابر ہیں اور بچھو خچروں کے برابر جب وہ کاٹیں گے تو چالیس چالیس سال کی مقدار تک اون کا زہر اور درد باقی رہے گا۔ ان کے سوا کوئی ایذا دینے والی چیز دنیا میں نہیں جو دوزخ میں نہو۔

جس زنجیر میں کفار جکڑے جائیں گے اوس کا ایک ایک حلقہ ایسا ہے کہ اگر پہاڑ پر رکھا جائے تو اوس کو اور زمینوں کو گلاتا اور پہاڑ آ ہو نکل جائے۔

وہاں کے فرشتوں کی ایسی مہیب اور ڈراونی شکلیں ہیں کہ اگر ایک فرشتہ دنیا میں ظاہر ہو جائے تو لوگ اوس کو دیکھکر مر جائیں

غرضکہ جیسے جنت میں ہر قسم کی لذتیں اور نفس کی خواہش کی چیزیں مہیا ہیں اوسی طرح دوزخ میں ہر قسم کے عذاب و عقاب کی چیزیں مہیا ہیں
ہم نے جنت و دوزخ کے چند حالات جو قرآن و حدیث میں وارد ہیں بلا کم و کاست لکھدئے اور اس کا کچھ خیال نہ کیا کہ اس قسم کے مضامین پر استہزا اور تضحیک ہوا کرتی ہے اس لئے اگر تضحیک مانع ہو تو ہم سے کوئی اسلامی کام نہ ہوسکیگا۔ یہانتک کہ نماز اور روزوں کا ادا کرنا بھی مشکل ہوجائے گا کیونکہ اوس پر بھی نئی روشنی کے حضرات مضحکے اوڑاتے ہیں اور خدا اور رسول کو یاد دلانے والے اون کی محفلوں میں قل اعوذیے اور ملاٹے وغیرہ القاب سے ملقب کئے جاتے ہیں ہمیں قرآن شریف بتلا رہا ہے کہ استہزا کرنے والے اوس زمانے میں بھی موجود تھے جب کہ قرآن نازل ہو رہا تھا مگر خود خدائے تعالیٰ نے اوس کے مکافات کا ذمہ لے لیا ہے جیسا کہ ابتدائے قرآن ہی میں حق تعالے نے اوسکی خبر دی ہے قولہ تعالیٰ قَالُوْآ اِنَّا مَعَکُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِیْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ اب ہمکو کسی کے استہزا کی کیا پروا۔

البتہ یہاں یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ حق تعالے نے جنت و دوزخ کے حالات جو اس قسم کے بیان کئے اون کا وجود ممکن ہے یا نہیں

اور جب اون کا امکان ثابت ہو جائے تو صرف یہ بحث باقی رہ جائیگی
کہ خدائے تعالےٰ اون ممکن چیزوں کے پیدا کرنے پر قادر ہے یا نہیں
پھر جب یہ دونوں امر طے ہو جائیں تو تضحیک کا منشا فقط یہ رہ جائیگا
کہ اون چیزوں کو دیکھا نہیں جس سے استبعاد اور استعجاب پیدا ہوا
امر اوّل کی نسبت کوئی ذی علم یہ نہیں کہہ سکتا کہ جتنے امور قرآن و حدیث
میں بیان کئے گئے ہیں اون میں کوئی بات عقلاً محال ہے۔ ہاں یہ
کہہ سکتے ہیں کہ عادت کے لحاظ سے عقل ان امور کو قبول نہیں کرتی
سو یہ بات دوسری ہے۔ ہمارا کلام اون امور کے بالذات محال ہونے
میں ہے اور ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ ممکن نہیں کہ کوئی ان کو محال
ثابت کر دکھائے۔ پھر جب وہ سب ممکن ہیں تو خالق ممکنات کی قدرت
کا اون سے متعلق ہونا کسی طرح محال نہیں ہو سکتا اگر خالق عزّ و جل ممکنات
کو بھی پیدا نہ کر سکے تو وہ خالق ہی کیا ہوا۔ پھر جب خالق عالم نے اپنے
کلام پاک میں اوس عالم کے اشیا اور حالات کی خبر دی ہے تو
جو لوگ اوسکو خالق اور قرآن کو اوس کا کلام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کو اوس کے رسول تسلیم کرتے ہیں اون کو تو لامحالہ ان سب امور
کی تصدیق کرنی پڑیگی ورنہ سمجھا جائیگا کہ وہ بھی اونہی لوگوں میں
ہیں جو نہ خدا کو مانتے ہیں نہ رسول کو نہ قرآن کو اور اون کا دعویٰ اسلام

کسی ایسی مصلحت پر مبنی ہے جسکو حقیقی اسلام اور ایمان سے کوئی تعلق نہیں۔

رہا یہ کہ ان امور کو نہ دیکھنے کی وجہ سے عقل قبول نہیں کرتی تو یہ عذر قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ اگر ہماری ہی تخلیق کسی اور طور پر ہوتی اور اوس وقت ہمارے حالات موجودہ بیان کئے جاتے مثلاً یہ کہا جاتا کہ عالم میں ایک خلقت ایسی بھی ہے کہ اون کا قد طویل ہے اور ایسے عضو کے سہارے چلتے پھرتے ہیں جو اون کے قد کا ساتواں حصہ ہے۔ اور اون پر اقلاً تین سو بیانوے من کا وزن رہا کرتا ہے جیسا کہ حکمت جدیدہ میں مصرح ہے حالانکہ اون کی معمولی طاقت اتنی ہے کہ تخمیناً ایک من بوجھ اوٹھا سکیں۔ اون میں ایک چمڑے کا تھیلا لگا ہوا ہے جس میں تین سوراخ ہیں ایک سوراخ سے غلہ وغیرہ اوس میں بھر دیتے ہیں اور اوس پر پانی ڈالتے ہیں۔ اوس تھیلے کے اندر ہمیشہ آگ جلتی رہتی ہے جس کا کبھی کبھی دھواں بھی نکلتا ہے مگر اونکو اوس کی گرمی محسوس نہیں ہوتی وہاں غلہ وغیرہ پک کر اوس کا خلاصہ جدا اور فضلہ جدا ہوتا ہے اور فضلہ ایک سوراخ سے اور پانی دوسرے سوراخ سے نکل جاتا ہے۔ پھر اوس خلاصہ سے چند گاڑھی چیزیں بنتی ہیں جن میں کسی کا رنگ سرخ کسی کا سپید کسی کا

امور مذکورہ بالا کی عقلی طریق سے

سیاہ کسی کا زرد و سبز ہے۔ اون گاڑھی چیزوں سے صدہا چیزیں اون کے
جسم میں بنتی ہیں کوئی نہایت سخت مثل پتھر کے کوئی نرم مثل روئی کے
کوئی رقیق کوئی غلیظ کوئی سرد کوئی گرم کوئی چیز اون کو بیہوش کر کے زمین
پر گرا دیتی ہے کوئی چیز حرکت کر کے دیوانہ بنا دیتی ہے کوئی ہنساتی
ہے کوئی رُلاتی ہے۔ انہیں سے سامعہ۔ باصرہ۔ ذائقہ۔ شامہ۔
لامسہ۔ جاذبہ۔ ہاضمہ۔ دافعہ۔ ماسکہ۔ غاذیہ۔ مصورہ وغیرہ
قوتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اون گاڑھی چیزوں سے ایک چیز ہے کہ اوسکو
پچکاری کے ذریعہ سے جو انہیں کے جسم میں لگی ہوئی ہے دوسرے
شخص کے تھیلے میں پہونچاتے ہیں۔ وہاں سے چند روز کے بعد
وہی غلہ وغیرہ کا خلاصہ ہو بہو اونہی کی صورت و شکل پر بن کر باہر
نکلتا ہے اور وہ لوگ اوس کو بہت پیار کرتے ہیں اور اپنی جان
سے زیادہ اوسکو دوست رکھتے ہیں اور یہ کوئی نہیں سمجھتا کہ یہ وہی غلہ
وغیرہ ہے جو اس صورت میں ظاہر ہوا۔ اون کے اعضا میں ایک
عضو ایسا ہے کہ اوس سے چار نہریں نکلتی ہیں ایک کا پانی نہایت
شیریں ایک کا نہایت تلخ ایک کا پھیکا ایک کا کھارا۔ اون کے اعضا
کی یہ کیفیت ہے کہ کوئی اون کے اختیار سے متحرک و ساکن ہوتا ہے
اور کوئی خود بخود بلا اختیار متحرک و ساکن ہوتا ہے کسی کو مطلقاً حرکت

نہیں ہوتی اون میں ایک چیز ایسی ہے جس میں چار چیزیں جمع ہیں جو آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں اور باوجود قوت کے ایک دوسرے کو فنا نہیں کرتیں اور سب بالاتفاق ایک مقام میں رہتی ہیں جن کے مجموعۂ اضداد پر اون کی زندگی کا مدار ہے۔

اس قسم کے عجائب جسم انسانی میں کثرت سے ہیں مگر چونکہ اون کے دیکھنے کی عادت ہوگئی ہے اس لئے وہ کوئی عجیب بات معلوم نہیں ہوتی۔ بخلاف اس کے نہیں دیکھی ہوئی چیز ادنیٰ غرابت سے نادر اور قابل استعجاب معلوم ہوتی ہے ممکن ہے کہ جس طرح خواب میں عجائبات دیکھے جاتے ہیں اور معمولی سے معلوم ہوتے ہیں آخرت کے عجائبات بھی وہاں پہونچنے کے بعد معمولی معلوم ہونے لگیں گے۔ بہرحال آخرت کے عجائب و غرائب بھی معمولی ہوجائیں گے اور جو استعجاب یہاں رہتا ہے وہاں نہ رہے گا۔

اگر آدمی آخرت کے عجائب اور لذائذ و مصائب پر ایمان لانا چاہے تو کوئی مشکل بات نہیں حق تعالےٰ نے اوس عالم کا ایک نمونہ بھی یہاں قائم فرما دیا ہے چنانچہ ہر شخص جانتا ہے کہ خواب میں اس عالم کے کل اشیاء برابر نظر آتے ہیں۔ اور بعض امور ایسے بھی دیکھے جاتے ہیں کہ یہاں اون کا وجود نہیں مثلاً آدمی اپنے آپ کو اوڑتے

دیکھتا ہے اور اوس وقت یہ خیال بھی نہیں آتا کہ ہمارا جسم ثقیل ہے
کیونکر اوڑا حالانکہ ہمارا وجدان بلکہ مشاہدہ گواہی دیتا ہے کہ ہم
اوڑ رہے ہیں جدھر چاہتے ہیں اوڑ کر چلے جاتے ہیں اور اوس کی
تصدیق بیداری میں بھی کرتے ہیں چنانچہ خواب بیان کیا جاتا ہے
کہ ہم اوڑے اور فلاں مقام میں پہونچے۔ اور کبھی خواب میں ایسی
مصیبتوں کا سامنا ہوتا ہے کہ آدمی چیخنے اور فریاد کرنے لگتا ہے جسکو
لوگ سُن کر یہ سمجھ جاتے ہیں کہ اوس عالم میں کسی سخت آفت میں وہ
مبتلا ہو گیا ہے اس لئے رحم کرکے اوسکو جگا دیتے ہیں اوس کی
حالت بیدار ہونے کے بعد بھی یہ ہوتی ہے کہ چہرہ کا رنگ فق
ہے دل اُچھل رہا ہے زبان سے بات نہیں نکلتی پھر تھوڑی دیر
کے بعد جب خوف وہراس کی حالت کم ہوتی ہے تو وہاں کی
سرگذشت بیان کرتا ہے ہر چند لوگ تسکین دیتے ہیں کہ وہ
خواب وخیال تھا مگر اوس کا وجدان گواہی دیتا ہے کہ اگر اور تھوڑی
دیر وہی حالت رہتی تو خاتمہ ہو گیا تھا اسی طرح جب وہ کسی مہ جبین
کے ساتھ کسی عمدہ مکان اور باغ میں عیش وعشرت کرتے ہوے
اپنے کو دیکھتا ہے تو اوسکو یہ خیال نہیں آتا کہ میں اپنے جھونپڑے
سے یہاں کیسے چلا آیا اور اس عیش وعشرت کے کیا اسباب ہوے

اور ایا یہ مہ جبین اور باغ وغیرہ واقعی ہیں یا یوں ہی ایک خیالی چیز ہے بلکہ اوس حالت میں وہ پوری جسمانی لذتیں حاصل کرتا ہے جسکو جس کے آثار اوس کے جسم پر نمودار ہوتے ہیں یہانتک کہ غسل کی ضرورت ہوتی ہے اور عمر بھر اوس عیش کا مزہ بھولا نہیں جاتا۔

اب کہئیے کہ اوس عالم خواب کی راحتیں یا مصیبتیں جس طرح گھنٹہ دو گھنٹے رہتی ہیں اگر مستمر ہوجائیں تو جو شخص اون مصیبتوں میں مثلاً مبتلا رہتا ہے اوس کی نسبت وہ واقعی ہوں یا خیالی۔ لوگ تو یہی کہیں گے کہ وہ سب خیالی ہیں مگر اوس کے دل سے پوچھئے تو معلوم ہو کہ جس قدر اس عالم میں مصیبتوں کا وجدان اور صدمہ ہوتا ہے اوسی قدر وہاں اون مصیبتوں کا صدمہ اور وجدان ہوتا ہے پھر خیالی کہنے سے اوسکو کیا نفع۔

اب غور کیجئے کہ جب ہم نے ایک ایسے عالم کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ جس میں ہر قسم کی جسمانی لذتیں اور مصیبتیں اور ایسے عجائب و غرائب اشیا رہیں جن کا وجود اس عالم محسوسات میں نہیں۔ اور من وجہٍ اس عالم محسوسات کے وہ مشابہ ہیں اور من وجہٍ مخالف تو ہم اگر عالم آخرت کو باور کرلیں کہ بعضے امور میں وہ اس عالم کے مشابہ ہے اور بعض میں مخالف اور وہاں ایسے عجائب و غرائب

امور ہیں کہ نہ کبھی دیکھے گئے نہ سنے گئے تو عقل کو اوس کے باور کرنے میں کیا تامل ہے خصوصًا جب خالق عالم نے خبر دی ہے جس کے وجود اور قدرت اور صدق کو ہم نے مان لیا ہے۔ اگر باوجود اس کے ہم اوس میں نعوذ باللہ شک کریں تو ہم ہرگز اس کے مستحق نہیں ہو سکتے کہ مسلمان کہلائیں۔

ایک گروہ حکما جزا و سزائے اعمال کا قائل تو ہو گیا مگر انہوں نے دیکھا کہ آدمی کے مرتے ہی اوس کا جسم علحدہ اور فنا ہو جاتا ہے اور روح باقی رہتی ہے اس لئے وہ صرف تلذذ اور تالم روحانی کے قائل ہوئے کہ کمال حاصل کرنے سے روحانی لذت ہوتی رہے گی اور نہ حاصل کرنے سے روح کو افسوس ہوتا رہے گا جو ایک قسم کا الم ہے اور جزا دینے والے کی قدرت اور حکمت اور عدل کا کچھ خیال نہ کیا۔ دیکھئے ایک شخص ہے کہ امتثال امر الٰہی کی غرض سے عمر بھر حرام مال سے احتراز کرتا رہا اور باوجود خواہش نفسانی کے کسی اجنبی عورت کی طرف رُخ نہ کیا اگر اوس کی جزا اسی قدر ہو کہ ہمیشہ اسی خیال پر نازاں رہے کہ میں نے مصیبتیں اُٹھا کر کمال حاصل کیا تو کیا یہ بھی کوئی جزا ہوئی بلکہ تعجب نہیں کہ یہی خیال اوس کا وبال جان ہو جائے اس لئے کہ اون اُموروں کے ارتکاب کی لذّت اور ترک کا الم دونوں اوس کے وجدانی

امر میں ممکن ہے کہ اون لذتوں کے فوت ہونے پر اوس کو افسوس اور حسرت ہو کہ ایسی لذت کو میں نے کیوں ترک کیا۔ بخلاف اس کے جس قسم کی جسمانی لذتوں کو اوس نے ترک کیا اوسی قسم کی اعلیٰ درجہ کی لذتیں حق تعالیٰ اپنی قدرت بالغہ کے مناسب اوسکو عطا فرمائے تو کس قدر مطابق عقل اور قرین انصاف ہوگا۔ مثلاً جس نے امتثال امر الٰہی کی غرض سے باوجود خواہش نفسانی کے اجنبی عورتوں سے احتراز کیا تو مقتضائے قدرت الٰہی عقلاً یہ ہونا چاہیئے کہ اپنے کمال قدرت سے ایسی عورتیں اوس کے لئے پیدا کرے جو دنیا میں اون کی سی کسی نے نہ دیکھا ہو اور نیز مقتضائے حکمت و قدرت یہ ہوگا کہ ایسی قوت اور لذت اوس میں پیدا کرے کہ اوس کے حاشیۂ خیال میں نہ ہو۔ اسی طرح جس نے خدا کے حکم کی کچھ پروا نکر کے لوگوں کا مال مثلاً کھایا اوس کے لئے عقلاً یہی مناسب ہوگا کہ ایسی ہی چیزیں اوسے کھلائی جائیں جس کے درد و الم کا کسی کو خیال تک نہ آیا ہو۔ الحاصل فرماں برداری و نافرمانی جن اعضا سے کی گئی جزا و سزا میں تلذذ و تألم اونہی اعضا کا ملحوظ رہنا عقلاً قرین انصاف ہے۔ اسی کو حق تعالیٰ جَزَآءً وِّفَاقًا فرماتا ہے۔ غرض کہ حق تعالیٰ قادر مطلق ہے جنتیوں کے ایسے اجسام بنائیگا کہ تلذذ جسمانی اون کے ذریعہ سے اعلیٰ درجہ کا حاصل ہو۔ اسی طرح دوزخیوں کے اجسام بھی ایسے بنائیگا کہ

اون سے الم جسمانی انتہائی درجہ کا ہو اور علاوہ اس کے روحانی اکتسابات کے معاوضہ میں روحانی تلذذ اور تالم جداگانہ مستقل طور پر حاصل ہونگے یوں تو خدائے تعالے قادر تھا کہ نفس کی مرغوب چیزوں کے سوا ایسی چیزیں جزائے اعمال کے لئے معین فرماتا جن سے کمال درجہ کا تلذذ روحانی آدمی کو حاصل ہو اسی طرح سزا کا بھی یہی طریقہ اختیار فرماتا۔ مگر اون چیزوں کے بیان کرنے سے جو رغبت مقصود ہے حاصل نہوتی۔ دیکھئے اگر نامرد سے وعدہ کیا جائے کہ تم فلاں کام کروگے توکسی باکرہ لڑکی کے ساتھ تمہارا نکاح کردیا جائیگا۔ تو کیا اس وعدہ سے اوسکو رغبت ہوگی ہرگز نہیں وہ یہی کہیگا کہ حضرت نہ مجھے اوس لڑکی کی ضرورت ہے نہ اس بیکار چیز کے واسطے اس کام میں تضیع اوقات کرسکتا ہوں۔ اسی پر تخویف کا حال خیال کرلیجئے۔ اس لئے حق تعالے نے جزا و سزا اور ترغیب و ترہیب میں اونہی چیزوں کو بیان فرمایا جن سے آدمی کو کمال درجہ کی لذت یا اذیت ہوتی ہے۔ اب رہی یہ بات کہ لذات جسمیہ کے خیال سے عبادت کرنے کو بزرگان دین جائز نہیں رکھتے اور کہتے ہیں کہ خدائے تعالے خود مستحق عبادت ہے۔ اس لئے بلالحاظ معاوضہ عبادت ہونی چاہیئے اور اسی بنا پر کسی شاعر نے لکھا ہے۔ **شعر۔**

حور کے واسطے زاہد نے عبادت کی ہے
لطف تو جب ہے کہ جنت میں نجائے واعظ

سو یہ مسئلہ دوسرا ہے۔ اس میں حور اور تمام نعمتیں برابر ہیں یہاں تک کہ اگر دیدار الٰہی کے خیال سے عبادت ہو تو وہ بھی معاوضہ ہوا پھر معاوضہ بھی کیسا کہ التذاذ اور لطف میں سب معاوضوں سے بڑھا ہوا ہے اس مسلک پر چاہیئے کہ عبادت سے دیدار الٰہی بھی مقصود نہو۔ چنانچہ کسی بزرگ کا قول ہے۔ **شعر**

از بہر وصال تو زہر چیز گذشتیم		خواہی نہ اگر وصل ازاں نیز گذشتیم

مگر یہ مسلک عام طبیعتوں کے مناسب نہیں۔ دیکھئے اگر حق تعالے اس مسلک کے لحاظ سے جنت و دوزخ کی خبر نہ دیکر فرماتا کہ بلا لحاظ جزا و سزا تم عمر بھر عبادت کئے جاؤ تو کیا عقلی طور پر یہ کلام نتیجہ بخش ہوتا ؟ البتہ چند حضرات جن کو خدائے تعالے کے ساتھ خصوصیت ہے وہ تو عبادت کرتے۔ باقی لوگ یہی کہتے کہ جب کوئی جزا و سزا ہی نہیں تو پھر اس جاں فشانی اور محنت شاقّہ اٹھانے کی ضرورت ہی کیا۔ غرضکہ مقتضائے عقل یہی تھا کہ عبادت کرنے اور نہ کرنے پر جزا و سزا اور ترغیب و ترہیب ہو اور ترغیب بھی ایسی چیزوں کی ہو جو نفس کو اون سے کمال درجہ کی رغبت ہو اور ترہیب میں بھی وہ چیزیں بیان ہوں جن سے اعلیٰ درجہ کا خوف ہو۔

ترغیب و ترہیب سے بہت بڑا فائدہ یہ ہوا کہ جس کام پر کیسی نعمت کا

وعدہ دیا گیا اوس سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ حق تعالے کو وہ کام پسند ہے
اور اوس کا کرنا باعث رضا و خوشنودی آلہی ہے۔ اسی طرح جن کاموں پر
تخویف کی گئی اون سے ناراضی خدائے تعالے کی ثابت ہوتی ہے الغرض
جن کاموں پر اجر عظیم اور بڑی بڑی نعمتوں کا وعدہ دیا گیا ہے۔ اہل اخلاص
اون کو حدیثوں میں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر عمل میں لاتے ہیں اور وعید
سے متعلق کاموں کو ترک کرتے ہیں۔ مقصود اس سے یہ کہ اپنا خالق اور
مالک راضی ہو اور رضی اللہ عنہم کے وعدے کے مستحق ہوجائیں۔ ایک بزرگ
صاحب نسبت جنت کی دعا کر رہے تھے کسی نے کہا حضرت آپ اور یہ دعا فرمایا
ہم جنت اسواسطے طلب کرتے ہیں کہ وہاں دیدار آلہی ہوگا جیسے کوئی اپنے
دوست کا مکان ڈھونڈتا ہے جس سے مقصود صاحب مکان ہوتا ہی
غرضکہ جو لوگ جنت کے لذائذ کی رغبت اور آفات دوزخ کے خوف سے
عمل کرتے ہیں وہ اور مخلصین نفس عمل میں برابر ہیں صرف مقاصد کا فرق
ہے۔ چونکہ آدمی بالطبع اپنی آسائش چاہتا ہے اور مصیبتوں سے بھاگتا
ہے۔ اس لئے عام اہل ایمان اسی درجہ میں ہیں۔ اور اون کو عمل کرنے
پر مجبور کرنے والے خوف و رجا ہیں۔ جن کا منشا ایمان ہے یعنے جب اونکو
یقین ہوتا ہے کہ ہمیں مرنے کے بعد ہمیشہ اوس عالم میں رہنا ہے اور
اچھے کام کریں تو جنت ملیگی ورنہ دوزخ۔ تو ناگزیر اون کو عمل کرنا پڑتا ہی

اور جس کو ایمان یعنے یقین بھی نہو تو وہ عمل کو فضول سمجھے گا۔ کہنے کو تو ہر شخص یہی کہتا ہے کہ مجھے یقین ہے۔ مگر یقین وہ ہے جس پر آثار مرتب ہوں یہ بات پوشیدہ نہیں کہ اگر حکم شاہی کسی کے قتل کے لئے نافذ ہوا اور اوس کو معلوم بھی ہو جائے کہ میں دو تین روز میں قتل کیا جاتا ہوں تو اوس کے دل کی کیا حالت ہوگی اوس کے افعال و حرکات کس قسم کے ہونگے ؟ اگرچہ اوس کے گھر میں ہر قسم کے عیش و عشرت کے سامان مہیا ہوں اور نفیس نفیس غذائیں اوس کے روبرو رکھی جائیں اور عمدہ عمدہ لباس پیش کئے جائیں مگر اسکی توجہ کسیکی طرف نہو گی۔ اس کی کیا وجہ ہے ؟ ادنیٰ تامل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ تمام عیش و عشرت راحت و مسرت کا مدار دل کی فرحت پر ہے اور جب دل ہی میں اوس قتل کے یقین نے گھر کر لیا تو اوس کے دل میں فرحت کو جگہ ہی کہاں جس سے عیش و عشرت کا لطف اوٹھا سکے۔ اسی وجہ سے حق تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْفَرِحِیْنَ ؁ یعنے خدائے تعالےٰ فرحت والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ کیونکہ فرحت کا بے خوفی لازمہ ہے جس سے ناشائستہ حرکات کا صادر ہونا ضروری۔ غرضکہ جب شخص مذکور باقتضائے حالت و طبیعت کھانے پینے اور عیش و عشرت کی طرف رغبت نہ کرے تو اوس پر یہ الزام لگانا بے موقع ہوگا کہ اوس نے رہبانیت اختیار کی ہے

ایمان و افعال

جو شرع شریف میں مذموم ہے اگر اوسکو حدیث لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ
سنائی جائے تو وہ مرور و کر کہیگا کہ حضرت یہ صحیح ہے مگر دل جو قابو میں نہیں
اوس کا کیا علاج؟ اسی پر قیاس کر لیجئے کہ جس طرح حکم شاہی کا یقین اس
حالت تک پہونچا دیتا ہے۔ اسی طرح جسکو خدا اور رسول کے کلام کا یقین
اس درجہ کا ہو جو شخص مذکور کو ہے ضرور اوسکو عمل پر مجبور کریگا اور اگر یقین
ہی نہ ہو تو ایمان صادق نہیں آسکتا۔ اس لئے کہ ایمان یقین ہی کا نام
ہے جس پر آثار مرتب ہوتے ہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے
الیقین الایمان کلّه کنز العمال کی کتاب الاخلاق میں روایت
ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا مجھے اپنی امّت پر کسی بات کا خوف
نہیں سوائے ضعف یقین کے یعنے ڈر ہے تو یہی ہے کہ کہیں اون کے
یقین میں ضعف نہ آجائے۔ اور نیز اوسی میں یہ روایتیں ہیں کہ نبی
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا سے حسن یقین مانگا کرو۔ اور جس طرح
قرآن سیکھتے ہو یقین بھی سیکھا کرو۔ یہ حدیثوں کا مضمون تھا۔ اب
قرآن شریف بھی دیکھ لیجئے حق تعالیٰ فرماتا ہے وَهُم بِالْآخِرَةِ هُمْ
يُوقِنُونَ أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ
ترجمہ وہ لوگ یعنے متقین آخرت کا یقین کرتے ہیں وہی ہدایت پر
ہیں اور وہی رستگاری پانے والے ہیں۔" یہ آیۂ شریفہ قرآن شریف کی

ابتدا ہی میں پہلے ہی رکوع میں ہے تاکہ پہلے پہل ہر مسلمان کی نظر اوس پر پڑے اور سمجھ جائے کہ ہدایت اور رستگاری بغیر یقین کے ممکن نہیں اس لئے اوس کے درست کرنے کی فکر میں لگا رہے جس پر آثار مرتب ہوں۔

روض الریاحین میں امام یافعیؒ نے لکھا ہے کہ بادشاہ وقت نے شاہ کرمانیؒ کی لڑکی کا پیام کیا آپ نے تین روز کی مہلت چاہی اور مسجدوں میں صلحاء کی تلاش کو نکلے کسی مسجد میں ایک نوجوان لڑکے کو دیکھا کہ نہایت خشوع خضوع سے نماز پڑھ رہا ہے بعد نماز اوس سے پوچھا کیا تم نے نکاح کیا ہے ؟ کہا نہیں۔ فرمایا ایک لڑکی قرآن پڑھی ہوئی نمازی اور روزہ دار ہے اور باوجود ان صفات کے خوبصورت بھی ہے کیا اوسکو نکاح کروگے ؟ کہا ایسی لڑکی کون دیگا فرمایا میں دیتا ہوں جاؤ اور ایک درہم کی روٹی اور ایک درہم کا سالن اور ایک درہم کی خوشبو خرید لاؤ اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں لڑکا وہ خرید لایا اور آپ نے اپنی صاحبزادی کو نکاح کرکے اوس کے گھر روانہ کر دیا۔ دُلھن جب دُلھے کے گھر گئی تو دیکھا کہ سوکھی روٹی کا ٹکڑا کہیں رکھا ہے پوچھا یہ روٹی کیسی ؟ کہا کل میں اوس میں سے کچھ کھا کر آج کے افطار کے لئے یہ ٹکڑا اوٹھا رکھا تھا یہ سُنتے ہی صاحبزادی نے اپنے گھر کی راہ لی۔ دُلھے نے کہا میں جانتا تھا کہ شاہ کرمان کی لڑکی قناعت کرکے مجھ فقیر کے گھر میں نہ رہیگی۔ صاحبزادی نے کہا شاہ کرمان کی لڑکی تمہارے

فقر کی وجہ سے واپس نہیں جاتی بلکہ تمہارا ضعف یقین اوسکو گھر سے
نکال رہا ہے۔ مجھے تم سے تعجب نہیں اپنے والد بزرگوار سے تعجب ہے
جو اونہوں سنے کہا تھا کہ ایک جوان عفیف کے ساتھ میں سنے تمہارا
نکاح کردیا ہے۔ بھلا ایسا شخص عفیف ہوسکتا ہے جسکو بغیر روٹی کے
خدا پر اعتماد نہو۔ دولھے سنے کہا میں اس کی معذرت چاہتا ہوں۔ کہا عذر
کا حال تم جانو میں تو اوس گھر میں نہیں رہ سکتی جہاں کھانے کی کوئی چیز رہے
یا روٹی رہے گی یا میں رہونگی۔ اونہوں سنے روٹی فقیر کو دیدیا اور قصّہ
فیصل ہوگیا دیکھئے یوں لڑکپن سے یقین کی تعلیم ہوا کرتی تھی۔

شیخ اکبر رح نے فتوحات مکیہ کے باب ۳۳ میں اپنا چشم دید واقعہ
لکھا ہے کہ ابو العباس سبتی رح کے پاس ایک شخص سنے اپنے فقرو فاقہ
کی شکایت کی۔ فرمایا نکاح کرو۔ اوس سنے نکاح کیا۔ پھر کئی روز کے بعد
آکر کہا حالت سابقہ میں کچھ فرق نہ آیا۔ آپ نے فرمایا دوسرا نکاح کرو۔
اوس سنے دوسرا نکاح کیا جب بھی دیکھا کہ ہنوز آش درکاسہ ہے
چند روز کے بعد پھر شکایت کی فرمایا تیسرا نکاح کرو چونکہ مرید صادق
تھا اس بار بھی امتثال امر کیا دیکھا کہ اور مصیبت بڑھ گئی بلکہ نشد دو شد
سہ شد کا مضمون صادق ہے۔ پھر شکایت کی فرمایا چوتھا نکاح کرو
اوس سنے بغیر کسی عذر و حیلہ کے چوتھا نکاح بھی کرلیا۔ شیخ نے فرمایا

اب کمال ہوگیا۔ چنانچہ اوس کے بعد خدائے تعالےٰ نے اوس کو غنی کر دیا۔ حالانکہ عورتیں سب فقیرنیاں تھیں انتہے۔ آپ نے مرید کے یقین کو دیکھ لیا کہ شکایت فقر کی ہو رہی ہے اور پیر صاحب فرماتے ہیں نکاح کر لو یعنے اور محتاج بنو پھر ایک نہیں دو نہیں تین نہیں چار فقیرنیاں جب اس فقیر کے سر ہوگئی ہونگی تو اوس بیچارے کی کیا حالت ہوگی ؟ ہر وقت گدا بر گدا لعنت خدا کا مضمون پیش نظر رہتا ہوگا۔ مگر واہ رے خوش اعتقاد یہ بھی تو نہ کہا کہ حضرت آپ یہ کیا کہہ رہے ہو میں خود فقر سے مر رہا ہوں ان کو کہاں سے کھلاؤں اب پیر صاحب کے یقین کا حال دیکھئے اونہوں نے دیکھا کہ قرآن شریف میں ہے وانکحوا الایامے منکم والصالحین من عبادکم وامائکم ان یکونوا فقراء یغنہم اللہ من فضلہ یعنی جو مرد اور عورتیں تم میں ایسے ہوں جن کے جوڑے نہوں اون کا اور نیکبخت غلام اور لونڈیوں کا نکاح کر دو اگر وہ فقیر ہوں تو اللہ تعالےٰ اون کو اپنے فضل سے غنی کر دیگا انتہے۔

وہ جانتے تھے کہ حالت افلاس میں نکاح دُہری مصیبت اور سراسر خلاف عقل ہے مگر اون کو اس وعدے کا ایسا یقین تھا کہ اوس میں شک اور احتمالات عقلیہ کو ذری بھی گنجائش نہ ملی اور سمجھتے تھے

کہ یہ تاخیر فقط اعتقاد کی آزمائش کی غرض سے ہے۔ اس لئے آخری حد یعنے چار تک پہونچا دیا۔ جب پیر و مرید آزمائش میں پورے اُترے اوس وقت حق تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا۔

اسی قسم کا واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بھی پیش آیا تھا چنانچہ بخاری اور مسلم میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ میرے بھائی کا پیٹ جاری ہو گیا ہے۔ فرمایا شہد پلاؤ دوبارہ آکر عرض کیا کہ پلایا مگر کچھ نفع نہیں ہوا۔ فرمایا پھر پلاؤ۔ پھر پلایا مگر پھر بھی کچھ نفع نہوا۔ پھر وہی ارشاد ہوا۔ آخر تیسرے یا چوتھے بار میں فرمایا اللہ تعالےٰ سچ کہتا ہے اور تمہارے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے پھر شہد ہی پلاؤ۔ اس بار کے پلانے میں صحت ہو گئی۔

ہر چند امام ذہبی اور ابن قیمؒ وغیرہ نے اسکی توجیہ میں اصول طبیہ سے مدد لی ہے مگر اصل بات یہ تھی کہ حق تعالےٰ نے شہد کے باب میں فیہ شفاء للناس فرمایا ہے اس لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بار بار شہد ہی پلانے کو فرماتے تھے اور شفا میں تعویق ہونیکی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ صحابی کے یقین کا امتحان مقصود تھا۔ غرضکہ ہمارے دین میں یقین ایک ضروری چیز ہے اسی وجہ سے صوفیائے کرام

کو خاص قسم کی توجہ اوس کے حاصل کرنے کی طرف تھی اور اس باب میں وہ تمام فرقِ اسلامیہ میں ممتاز ہیں جیسا کہ کتب تصوف اور ان حضرات کے تذکروں سے واضح ہے۔

یقین کی تعریف اور طریقۂ حصول یقین

یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ یقین ایک کیفیت قلبی کا نام ہے جسکی نوعیت وجدان سے معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً کوئی بوٹی کھانے سے آدمی مرجاے تو دیکھنے والے کو ابتدا میں احتمال ہوگا کہ شاید وہ بوٹی زہریلی ہو پھر جب دس بیس آدمی اوس کے روبرو کھائیں اور وہ سب مرجائیں تو وہ احتمالی کیفیت زائل ہوکر ایک ایسی کیفیت دل میں پیدا ہوگی کہ جسکی وجہ سے آدمی وہ بوٹی نہ خود کھائیگا اور نہ کسی کو کھانے دیگا۔ اور اگر کھانے دیگا تو اوسی کو جس کا مرنا منظور ہو۔ یہ اوس کیفیت کا اثر ہے جو اوس کے دل میں اوس بوٹی کی تاثیر کی نسبت پیدا ہوئی تھی اس قسم کی کیفیت محسوسات میں تو آدمی بذریعۂ تجربہ وغیرہ اپنے اختیار سے حاصل کرسکتا ہے مگر جو چیز محسوس نہو اوس کی نسبت یہ کیفیت پیدا کرنا آدمی کے اختیار سے خارج ہے کیونکہ عقل ایسی باتیں تلاش کرتی ہے جنکی وجہ سے یقینی کیفیت پیدا نہ ہونے پاے یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگ خداے تعالے کے وجود کے قائل ہی نہیں اور عالم کا کام مادہ اور اجزاے دیمقراطیسی سے متعلق کردیا کہ جتنی چیزیں پیدا ہوتی ہیں مادہ

کے انقلابات کا اثر ہے۔ ہر چند اس کے رد میں بہت سارے دلائل بیان
کئے جاتے ہیں مگر اون کی عقلیں اون دلائل کے جوابات بھی تراش
لیتی ہیں۔ غرضکہ غیر محسوس امور کا یقین حاصل کرنے میں عقلیں قاصر ہیں۔
جبتک منجانب اللہ وہ کیفیت دل میں ڈالی نہ جائے یقین حاصل نہیں
ہوسکتا اسی وجہ سے حق تعالیٰ فرماتا ہے (افمن شرح اللہ صدرہ
للاسلام فهو علی نور من ربہ) جس کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ
کی طرف سے شرح صدر اور انکشاف نورانی ہوتا ہے جس سے آدمی
اسلام کو قبول کرتا ہے۔ اوس کے بعد عقل اوس پر دلائل بھی قائم
کرلیتی ہے پھر اس شرح صدر کے مدارج مختلف ہیں اس لئے کہ جو
شرح صدر انبیا علیہم السلام کو ہوا تھا ممکن نہیں کہ عوام الناس کو ہو اسی
وجہ سے یقین کے مدارج مختلف ہیں دیکھئے خدائے تعالیٰ کی ذات و
صفات و آیات کا یقین جو انبیا علیہم السلام اور اولیاء کرام کو ہوتا ہے
اوس پر وہ آثار مرتب ہوتے ہیں جو عوام الناس کے یقین پر نہیں ہوسکتے
ہر چند اس قسم کا ضعیف الیقین شخص بھی مسلمان سمجھا جائیگا۔ مگر ضعف
یقین کی وجہ سے اکثر وہ امور اس سے سرزد ہونگے جو خلاف مرضی الٰہی
ہیں جس کے باعث آدمی مستحق عذاب ہوتا ہے۔ بخلاف کامل الیقین
حضرات کے کہ اونکو ہر وقت حق تعالیٰ اور اوس کی ذات و صفات

اور جزا و سزا کا گویا مشاہدہ رہتا ہے جس سے خلاف مرضی آلہی امور
کا ارتکاب محال یا دشوار ہو۔ چونکہ اسلامی دنیا میں یہ درجہ نہایت بلند
اور مقصود بالذات ہے اوسکو حاصل کرنے کی یہ تدبیر بتائی گئی کہ عبادت
آلہی جہانتک ہوسکے زیادہ کی جائے کیونکہ عبادت کے معنے خضوع و
تذلل کے ہیں اور تذلل کے معنے لغت میں فرماں بردار ہونے کے
ہیں جب آدمی خدائے تعالے کے روبرو عاجزی کرے اور اعمال و
اعتقادات میں فرماں بردار رہے تو امید قوی ہے کہ حق تعالے
اوس کے صلہ میں اوسکو وہ یقین عطا فرمائیگا جس کی وجہ سے کوئی
امر خلاف مرضی آلہی صادر نہو چنانچہ ہر شخص کو ارشاد ہو رہا ہے قولہ تعالے
واعبد ربك حتى ياتيك اليقين یعنے عبادت کیا کرو
تاکہ خدا کی طرف سے وہ یقین تمہیں عطا ہو جسکی وجہ سے مرضی آلہی
کے مطابق تم سے اعمال و افعال صادر ہوں اور عبادت یقین کے
ساتھ ہونے لگے جس کا حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث
صحیح میں فرمایا ہے واعبد ربك كانك تراه یعنے عبادت اس
یقین کے ساتھ کیا کرو گویا خدائے تعالے کو تم دیکھ رہے ہو شریعت میں
اسکو احسان کہتے ہیں جیسا کہ اس روایت سے ثابت ہے جو مشکوٰۃ
شریف کی کتاب الایمان میں بخاری اور مسلم سے منقول ہے کہ عمرؓ

حدیث واعبد ربک کانک تراہ

کہتے ہیں کہ ہم ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے ایک شخص نہایت سفید لباس پہنا ہوا آکر حضرت کے روبرو زانو سے زانو ملا کر بیٹھ گیا اور پوچھا کہ اسلام کیا چیز ہے حضرت نے فرمایا کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی شہادت دینی اور نماز زکوٰۃ روزے اور استطاعت ہو تو حج ادا کرنا۔ کہا آپ نے سچ کہا پھر پوچھا ایمان کیا چیز ہے فرمایا یقین کرنا اللہ کا اور اوس کے ملائکہ اور کتابوں اور رسولوں کا اور یقین کرنا اسکا کہ خیر و شر اللہ ہی کے طرف سے ہے کہا آپ نے سچ کہا۔ پھر پوچھا احسان کیا چیز ہے فرمایا ان تعبد اللہ کانك تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراك یعنے ایسی طور پر عبادت کرو کہ گویا تم اسکو دیکھ رہے ہو کیونکہ اگر تم اسکو نہیں دیکھتے ہو تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے جب وہ شخص چلا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ یہ سوال کرنے والے کون تھے میں نے کہا اللہ و رسولہ اعلم فرمایا وہ جبرئیل تھے تم لوگوں کو دین کی تعلیم کرنے کی غرض سے آئے تھے انتہیٰ ملخصاً۔

اس ارشاد سے صاف ظاہر ہے کہ اعلیٰ درجہ کا یقین اور مشاہدہ حاصل ہونے کے بعد بھی عبادت کرنے کا حکم ہے بلکہ عبادت اس قسم کے یقین کے ساتھ کرنے کی ضرورت ہے۔ غرضکہ آیۂ شریفہ

واعبد ربك حتى یاتیك الیقین سے درجۂ احسان کی طرف اشارہ ہے جو درجہ ایمان سے بالاتر ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو یقین نہیں ہو سکتا باوجود اس کے حضرت سب سے زیادہ عبادت کرتے تھے جس کا حال تمام اکابر صوفیہ قدست اسرارہم اپنے کتابوں میں ذکر فرماتے ہیں۔

ادنی تامل سے یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ جب خدائے تعالے کی ذات اور صفات کے یقین سے عبادت یعنے خضوع اور تذلل کی ضرورت ہو تو یقین کے بعد تو بطریق اولی ضرورت ہو گی۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ جسکو خدائے تعالے کی ذات وصفات کا یقین اعلی درجہ کا ہو اور وہ اپنے خالق اور مالک کے روبرو عاجزی اور تذلل نہ کرے کے خودی اختیار کرے اور یہ کہے کہ میں تو کبھی اوس کے روبرو سر نہ جھکاؤنگا ہاں یہ بات دوسری ہے کہ بے خود ہو جاے اور اسکو نہ اپنا خیال ہے نہ کھانے پینے وغیرہ حوائج کا ایسے شخص کو مجذوب کہتے ہیں اور وہ مثل شیر خوار لڑکوں کے مرفوع القلم ہو جاتا ہے مگر اس حالت کو یقین سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ یقین سمجھ سے متعلق ہے جیسے آفتاب کے روشن ہونے کا آدمی کو یقین ہوتا ہے اور باوجود اسکے یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ ازخود رفتہ اور مرفوع القلم ہو گیا اس لئے کہ اسکی سمجھ بوجھ

باقی ہے۔ غرضکہ جب تک آدمی میں سمجھ اور عقل باقی ہے کیسا ہی اعلیٰ
درجہ کا یقین ہو مرفوع القلم نہیں ہو سکتا بلکہ اس یقین کی بدولت وہ
سب سے زیادہ عبادت کرتا ہے۔ اسی وجہ سے جتنے اکابر صوفیہ گزرے
ہیں سب نے عبادت میں اعلیٰ درجہ کی جانفشانیاں کیں۔

الحاصل ان حضرات کے اصول وہی ہیں جو شریعت میں مصرح
ہیں مگر اون کے یہاں اصل اصول عمل ہے۔ جس طرح علماء کو ذخیرۂ
علمی بڑہانے کی طرف توجہ ہے۔ ان حضرات کو اعمال کا ذخیرہ بڑہانے کی
فکر رہتی ہے کیونکہ قرآن شریف میں ہر جگہ ایمان کے ساتھ عمل کا
ذکر ہے اور جنت بھی بظاہر جزائے اعمال ہی معلوم ہوتی ہے
جیسا کہ ارشاد قولہ تعالےٰ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ اُوْرِثْتُمُوْهَا
بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ
فرماتا ہے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ
وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ یعنے کہو اون سے اے محمد صلی اللہ علیہ
علیہ وسلم کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری اتباع کرو جس سے
خدائے تعالےٰ تمہیں دوست رکھیگا اور تمہارے گناہ بخشدیگا انتہیٰ
کسی مذہب وملت والا خواہ ہندو ہو یا یہودی وغیرہ ایسا نہو گا
جسکو خدائے تعالےٰ کی دوستی کا دعوے نہو اس لئے کہ کوئی تصور بھی

احسان کرتا ہے تو آدمی اوسکو دوست رکھتا ہے چہ جائیکہ خدائے تعالٰے کے احسان جس نے عدم سے وجود میں لایا اور تمام حواس و قویٰ دئیے جن میں سے ایک ایک لاقیمت چیز ہے۔ ممکن نہیں کہ کوئی معمولی عقل والا بھی خدا کو دوست نہ رکھے گو محبت میں مدارج ہوں مگر بلحاظ دعوے اس باب میں سب برابر ہیں مگر اصل فضیلت یہ ہے کہ آدمی خدائے تعالیٰ کا محبوب بنے اوس کی تدبیر خدائے تعالےٰ نے یہ بتائی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرو تو تم ہمارے محبوب ہوجاؤگے اب جو اہل اسلام میں عقلمند لوگ تھے اونہوں نے ہمت کرلی کہ ہرچہ بادا باد ہم حضرت کی اتباع اور پیروی اس طرح کریں گے کہ جو کچھ حضرت نے کیا اور فرمایا اوس میں سرمو فرق نہ آئے خواہ دنیا میں تکلیف ہو یا ذلت پہلے اونہوں نے حضرت کی طرز معیشت پر نظر ڈالی دیکھا کہ باوجودیکہ حبیب ربّ العالمین اور مقصودِ کائنات ہیں مگر فقر فاقہ کے اعلیٰ درجہ میں آپکا مقام ہے۔

حضرتؐ کا فقر اور گذران

مواہب لدنیہ میں بخاری اور مسلم سے نقل کیا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا قسم کھا کر کہتی ہیں کہ متصل تین تین مہینے اس حالت میں گذر جاتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی بیوی کے گھر میں آگ سلگنے کی نوبت نہیں آتی تھی عروہ رحنے پوچھا پھر کھاتے کیا تھے فرمایا کھجور

اور پانی پر گذران تھی۔ اور مسلم میں روایت ہے سارا سارا دن گذر جاتا تھا
اور مارے بھوک کے حضرت پیچ و تاب کھاتے تھے مگر ادنیٰ درجہ کے
چھوہارے بھی اتنے نہیں کہ اُن سے سیری ہو سکے۔ ترمذی میں ابن عباس
رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ پے درپے کئی راتیں ایسی گذر جاتی
تھیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت کے سب گھر والے
بھوکے سوتے تھے مسلم وغیرہ میں روایت ہے کہ ایک روز آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وقت برآمد ہوئے کہ اوس وقت برآمد ہونیکی
عادت نہ تھی اتفاقاً ابوبکر صدیق اور عمر رضی اللہ عنہما بھی اوس وقت
آ گئے حضرت نے اون سے خلاف عادت آنے کا سبب دریافت
فرمایا عرض کیا الجوع یا رسول اللہ یعنے بھوک شدت سے لگی ہی
آپ نے فرمایا میری بھی یہی حالت ہے پھر اون کو لیکر حضرت ایک انصاری
کے مکان پر تشریف لے گئے انہوں نے ان حضرات کو دیکھتے ہی
خدا کا شکر بجالا کر کہا کہ آج مجھ جیسا خوش قسمت دنیا میں کوئی نہیں جسکے
گھر ایسے مہمان ہوں اور ایک بکری ذبح کی اور روٹی اور گوشت پیش
کیا آپ نے ایک روٹی پر تھوڑا سا گوشت رکھکر فرمایا یہ فاطمہ (رضی اللہ
عنہا) کے یہاں لیجاؤ کئی روز سے اونہیں گوشت نہیں ملا بعد فراغت
حضرت نے فرمایا کہ اس نعمت سے بھی قیامت کے روز سوال ہوگا

ترمذی میں روایت ہے کہ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک روز ہم کئی شخصوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں اسوقت اس قدر بھوک لگی ہے کہ پیٹ پر پتھر باندھنے کی ضرورت ہوئی چنانچہ ہر ایک نے ایک ایک پتھر دکھلایا۔ حضرت نے اپنا قمیص مبارک اُٹھایا تو دو پتھر شکم مبارک پر بندھے تھے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک روز میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا کہ خلاف عادت بیٹھ کر نماز ادا فرمارہے ہیں میں نے استفسارِ حال کیا فرمایا بھوک کی وجہ سے میں کھڑے نہیں رہ سکتا ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ یہ سُن کر میں بے اختیار رو دیا۔ بخاری اور مسلم وغیرہ میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہو کہ آپ فرماتی ہیں کہ انتقال کے قریب حضرت نے اپنے گھر والوں کے لئے ایک دینار کے جَو خرید فرمائے تھے جسکے عوض میں زرہ کو گرو رکھنے کی ضرورت ہوئی اس وجہ سے کہ ادائی قیمت کی کوئی تدبیر نہ ہوسکی۔

شفا میں قاضی عیاض رح نے یہ روایت بخاری و مسلم سے نقل کی ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر مبارک چمڑے کا تھا جس میں بجائے روئی کے لیف (پوست خرما) بھرا ہوا تھا اور حفصہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں

حضرت کا بستر مبارک وہی ٹاٹ تھا جو ہمیشہ بچھا رہتا تھا آرام کے وقت
صرف دوھرا کر لیا جاتا تھا۔ ایک روز صرف چار تہ کر کے بچھایا گیا تو
حضرت خفا ہو گئے کیونکہ اوس کی نرمی سے کسی قدر زیادہ استراحت
فرمائی اور فرمایا کہ آئندہ عادت کے مطابق دوھرا کر دیا کرو اسی قسم
کی اور بہت سی روایتیں ہیں جن کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت کی
گذران بالکل فقیرانہ تھی۔

حضرت کا فقر اختیاری تھا

یہاں یہ خیال نہ کیا جائے کہ حضرت کا فقر اضطراری تھا اس لئے
کہ یہ واقعات اوائل اسلام کے نہیں ہیں جو مکہ معظمہ میں سختیوں کا
زمانہ تھا بلکہ مدینۂ منورہ کے ہیں جہاں انصار نے مہاجرین کو اپنے
املاک میں شریک کر لیا تھا جب اونہوں نے مہاجرین سے مال کو
دریغ نہ کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اون کا کیا حال ہوگا
اس زمانہ میں مریدوں کا اعتقاد جیسا ہوتا ہے معلوم ہے باوجود
اس کے اون کے پیر نذرانوں سے امیر بنے رہتے ہیں۔ پھر جب
مہاجرین وانصار جیسے ہزاروں جاں نثار حضرت کی خدمت میں ہوں
اور وہ سب مفلس بھی نہیں بلکہ علاوہ ذاتی املاک کے مالِ غنیمت بھی
وقتاً فوقتاً اون میں تقسیم ہوتا تھا اور اون کے اعتقاد کی یہ کیفیت
کہ ہر وقت اپنے جان و مال حضرت پر نثار کرنے کو مستعد صرف اشارہ پر

مال تو کیا جان دینے کو بھی باعث نجات سمجھتے تھے تو ایسی قوم میں
حضرت کی دنیوی حالت کیسی رہنی چاہیئے تھی۔ پھر خود حضرت کی ذاتی
حالت بھی کچھ ایسی نہ تھی کہ فقر و فاقہ کی نوبت پہونچتی بلکہ بفضلہ تعالے
علاوہ سلطنت معنوی کے سلطنت ظاہری بھی حاصل تھی جس کا
اثر یہ تھا کہ بے دریغ مال خرچ فرماتے تھے چنانچہ شفا میں صحاح سے
یہ روایت منقول ہے کہ حضرت عائشہ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما
کہتے ہیں کہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ حضرت سے کسی نے کچھ مانگا اور
آپنے اوسکو نہیں فرمایا ہو چنانچہ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا شعر ہے

لولا التشهد لم تسمع لہ لا		ما قال لا قط الا فی تشہدہ

یعنے تشہد میں تو آپ نے لا کہا (یعنے لا الہ الا اللہ) اس کے سوا
پھر کبھی آپ سے لفظ لا نہیں سُنا گیا جو کسی سائل کے جواب میں فرمایا
ہو۔ کیا کوئی ہفت اقلیم کا بادشاہ بھی ایسا ہوا ہے جو کسی سائل کو محروم
نہیں کیا یہانتک تو نوبت پہونچ گئی تھی کہ اگر کوئی شخص کچھ مانگتا اور
حضرت کے پاس کچھ نہ ہوتا تو فرماتے کہ قرض لے لو ہم ادا کر دینگے
چنانچہ شفا میں ترمذی وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ کسی شخص نے حضرت
سے کسی چیز کی درخواست کی آپ نے فرمایا اسوقت میرے پاس
کچھ نہیں ہے مگر تم وہ چیز خرید کر لو ہم اوسکی قیمت ادا کر دینگے۔ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ

نے کہا یا رسول اللہ خدائے تعالےٰ نے یہ تکلیف آپ کو نہیں دی
کہ جو آپ کے پاس نہو اوس کے بھی ذمہ دار ہوا کریں۔ اس کے سننے
سے حضرت کے چہرۂ مبارک پر ناخوشی کے آثار نمایاں ہوئے کسی
مزاج داں انصاری نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ خرچ کئے جائیے
اور کبھی خوف نہ کیجئے کہ خدائے تعالےٰ آپکو محتاج کریگا۔ اس کلام سے
حضرت کے چہرۂ مبارک پر آثارِ بشاشت پیدا ہوئے اور تبسم کرتے
ہوئے فرمایا کہ ہاں مجھے بھی ایسا ہی حکم ہے۔ انتہیٰ۔

اس سے ظاہر ہے کہ آیۂ شریفہ ولا تبسطہا کل البسط
یعنے ہاتھ بالکل کشادہ مت کرو اس کے مخاطب کوئی دوسرے لوگ
ہیں جن کا قدم توکل میں راسخ نہیں۔ اگر ایسے لوگ سب مال خرچ کر ڈالیں
تو ضرورت کے وقت اون کو پچھتانے کی نوبت آتی ہے اس لئے
اون کو پہلے ہی سے منع فرما دیا۔

عرب کی عادت تھی کہ کبھی خطاب مخاطب سے کرتے اور
مقصود دوسرا ہوتا چنانچہ اسی قسم کا خطاب یہ ہے جو قرآن شریف
میں ارشاد ہے فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ
لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ؕ یعنے اپنے ماں باپ کو تو اف نہ کہہ اور
نہ جھڑک اور کہہ اون سے بات ادب کی انتہیٰ۔ ظاہرا خطاب

حضرت کی طرف ہے مگر دراصل مقصود دوسرے لوگ ہیں۔ کیونکہ حضرت کے والدین اس خطاب کے وقت زندہ نہ تھے۔

ایک شخص نے حضرت سے سوال کیا اور آپ کے پاس کچھ نہ تھا نصف وسق خرما (یعنے ۳۰ صاع) جو تخمیناً تین من پختہ ہوتے ہیں کسی سے قرض لیکر اوسکو عنایت فرمایا جب قرضدار تقاضے کو آیا تو آپ نے بجاے آدھے کے ایک وسق دیکر فرمایا کہ نصف وسق ادائی میں لو اور نصف وسق عطیہ ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت کو فقط دینا ہی دینا مقصود تھا۔

معوذ بن عفراء کہتے ہیں کہ میں نے ایک طبق میں کچھ خرماے تر اور کچھ چھوٹی ککڑیاں رکھکر حضرت کی خدمت میں پیش کیا آپ نے اوس کے عوض میں ایک کف بھر سونا عنایت فرمایا رطب اور ککڑیوں کی مالیت چار چھ آنے سے زیادہ نہوگی مگر اوس کے عوض میں بے حساب سونا دینا ہر کسی کا کام نہیں۔

ایک روز نوے ہزار درہم حضرت کے پاس کہیں سے آئے آپ اون کو ایک بوریے پر ڈلواکر تقسیم کرنے کو کھڑے ہوگئے جس نے جو مانگا دیا۔ یہاں تک کہ سب اوسی وقت تقسیم ہوگئے۔

ایک شخص نے حضرت سے بکریاں مانگیں اتنا بڑا ریوڑ بکریوں کا

اوسکو دیا کہ دو پہاڑوں کے بیچ کا میدان اوس سے بھرا ہوا تھا چنانچہ ایک شاعر نے اس واقعہ کو نظم کیا ہے۔

واتاہ اعرابیا التمس الندی	اعطاہ شاء ضمہا جبلان

وہ شخص اپنی قوم میں جاکر کہا کہ محمد ایسی بخشش کرتے ہیں کہ فاقہ کا اونہیں کچھ خوف ہی نہیں ہے ایک ایک شخص کو سو سو اونٹ آپنے تو بارہا دیے ہیں۔ قبیلۂ ہوازن کو اپنے غلام لونڈیاں۔ بکریاں وغیرہ جو بخشش کئے اوس کی قیمت کا اندازہ پچاس کروڑ درہم کا کیا گیا ہے یہ سب روایتیں شفا میں مذکور ہیں جن کو قاضی عیاض رح نے کتب معتبرہ سے نقل کیا ہے۔ اب کہیے کیا کوئی فقیر اتنی بخشش کرسکتا ہے ؟ فقیر کو جانے دیجیے کیا کوئی تاریخ داں کسی بادشاہ کو نظیر میں پیش کرسکتا ہے جسکی سخاوت اس حد تک پہونچ گئی ہو ممکن نہیں۔ اس لئے کہ سلاطین تو فقر و فاقہ کو شقاوت سمجھتے ہیں اور کثرت خزائن کو سعادت پھر ایسا کونسا پادشاہ ہوگا جو سعادت کو چھوڑکر شقاوت حاصل کرے۔ یہ حضرت ہی کا کام تھا کہ جتنا مال آگیا جلدی سے اوسے خرچ کر دیا تاکہ فقر کی دولتِ لازوال ہاتھ سے جاتی نہ رہے۔

شفا میں قاضی عیاض رح نے لکھا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی پیٹ بھر کر کوئی

چیز نہیں کھائی اور نہ کبھی اس کی شکایت کی۔ حضرت کو غنا سے زیادہ فقر و فاقہ مرغوب تھا۔ بارہا یہ ہوا ہے کہ بھوک کی وجہ سے رات بھر پیچ و تاب کھاتے اور پھر دن کو بھی روزہ رکھتے۔ اگر آپ چاہتے اور دعا کرتے تو روئے زمین کے خزانے حاصل ہوتے جنسے فراخی عیش بخوبی ہوتی۔ حضرت کے بھوک کی حالت دیکھ کر مجھے رونا آتا تھا۔ ایک بار شکم مبارک پر ہاتھ پھیر کر میں نے کہا کہ میری جان آپ پر فدا ہو دنیا سے اتنا تو آپ لیتے جو بقدر کفاف ہو۔ فرمایا مجھے دنیا سے کیا تعلق۔ میرے بھائی اولو العزم پیغمبر اس سے زیادہ مصیبتوں پر عمر بھر صبر کرتے رہے۔ جب وہ اپنے رب کے پاس گئے تو انکا اکرام ہوا اور اوس کے عوض بڑی بڑی عطائیں اور نعمتیں پائیں مجھے شرم آتی ہے کہ میں مرفہ الحالی میں زندگی بسر کر کے اپنے بھائیوں سے پیچھے رہ جاؤں مجھے اس سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں کہ اپنے بھائیوں اور دوستوں اور رفیق اعلیٰ سے ملوں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ان ارشادات کے بعد ایک مہینہ نہ گذرا ہوگا کہ حضرت نے انتقال فرمایا انتہیٰ۔

حضرت کے اس ارشاد سے ظاہر ہے کہ اعلیٰ درجہ کی ترقی مدارج فقر اختیاری سے وابستہ ہے اور اہل انصاف پر عملی طور سے مبرہن کر دیا کہ دعوے رسالت سے کوئی دنیوی حظ مقصود نہیں صرف تعمیل امر الٰہی پیش نظر ہے کما قال تعالیٰ وما اسئلکم علیہ من اجر ان

اجری الا علی رب العلمین یعنے کہدے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں تم سے تبلیغ رسالت پر کچھ مزدوری نہیں مانگتا میرا اجر اللہ ہی پر ہے انتہی یہیں سے حقانی اور شکم پرور لوگوں کا امتیاز ہوجاتا ہے جنکی جان فشانیاں اس مقولہ کو صادق کر دکھاتی ہیں کہ "ایں ہمہ شکل برائے اکل"۔

نیز شفا میں منقول ہے کہ ایک روز جبرئیل علیہ السلام حضرت کی خدمت میں حاضر ہوے اور حق تعالیٰ کی طرف سے بعد سلام یہ پیام پہونچایا کہ کیا آپ اس بات کو دوست رکھتے ہو کہ یہ پہاڑ سونے کے ہوجائیں اور آپ کے ساتھ رہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اے جبرئیل دنیا اوس شخص کا گھر ہے جسکو گھر نہو اور اوس کا مال ہے جسکو مال نہو اور اوسکو وہی جمع کرتا ہے جسکو عقل نہو جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو خدائے تعالیٰ قول ثابت پر ہمیشہ ثابت رکھے اور اوسی میں لکھا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ مجھ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مکہ کی ریتلی زمین کی ریت اور کنکروں کو سونا بنا کر مجھ پر پیش فرمایا میں نے عرض کی کہ یارب! میں یہ نہیں چاہتا میری دلی خواہش یہ ہے کہ ایک روز کھاؤں اور ایک روز بھوکا رہوں جس روز بھوکا رہوں نہایت عاجزی سے گریہ وزاری کروں اور جو کچھ مانگنا ہو تجھی سے مانگوں اور جس روز کھانا کھاؤں تیرا شکر بجالاؤں اور

تیری ثنا وصفت کروں انتہٰے۔

حضرت نے خوشی سے جو فقر اختیار فرمایا اوس کی وجہ بتلادی کہ خدائے تعالےٰ کے ساتھ ہر وقت تعلق لگا رہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ بھوک کی حالت میں نفس کسی چیز کی طرف خواہش نہیں کرتا کل شہوتیں اور خواہشیں مضمحل ہوجاتی ہیں اور صرف پیٹ بھرنے کی فکر رہتی ہے پھر جب معلومہ ذرائع مسدود کردیے جائیں اور یہ یقین کامل ہو کہ سوائے خدائے تعالےٰ کے کوئی حاجت روا نہیں۔ تو نفس کو خاص قسم کی توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی رہتی ہے اور وہ تعلق پیدا ہوتا ہے جو کسی چیز سے نہو سکے۔

شاہی ملازموں کو دیکھ لیجئے کہ جب اون کو یقین ہوتا ہے کہ اوس قسم کی حاجت روائیاں اور کہیں نہیں ہوسکتیں تو اون کی توجہ کس قدر بادشاہ کے طرف ہوتی رہتی ہے۔ بات بات میں رضاجوئی کا خیال عتاب کی فکر اور خوشامد کے نئے نئے تدابیر سوجھتے رہتے ہیں۔ غرضکہ بھوک وغیرہ مصائب و آلام میں خدائے تعالےٰ کو یاد کرنا مسلمانوں کے نفوس کا ذاتی مقتضا ہے۔ برخلاف اس کے جب نفس آسودہ ہوتا ہے اور لذائذ دنیوی سے فرحت ہوتی رہتی ہے تو نشہ کی سی کیفیت اوس پر طاری ہوتی ہے۔ پھر جس قدر فرحت زیادہ ہو اوس کی بدمستی زیادہ ہوگی۔ اسی کو دیکھ لیجئے

وجہ اختیار فاقہ

کہ امرا کی کیسی حالت رہتی ہے اون میں شاذ و نادر افراد ہوتے ہیں جو صرف
فرائض کو پابندی سے ادا کرتے ہوں ورنہ اوس کی بھی نوبت نہیں آتی
کیونکہ فرحت نفس کا مقتضا یہی ہے کہ خدا اور رسول سے غفلت ہو جائے
یہی وجہ ہے کہ خدائے تعالے فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْفَرِحِیْنَ
یعنے فرحت والوں کو خدا دوست نہیں رکھتا۔ الحاصل آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے جو فقر کو اختیار فرمایا اوس سے ثابت ہے کہ وہ تقرب الی اللہ
کا سبب قوی ہے مگر چونکہ ہر نفس میں یہ صلاحیت نہیں کہ فقر و فاقہ کی
برداشت کر سکے بلکہ بعض طبائع کا تو یہ حال ہے کہ فقر اونکو حد کفر تک
پہونچا دیتا ہے جیسا کہ ارشاد فرماتے ہیں کاد الفقر ان یکون کفرا
اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رحمت عامہ بنائے گئے تھے اس لئے
اسلام میں نہایت سہولت ہوئی اور تونگری بھی ہم پہلوے فقر ٹھیرائی
گئی اس شرط پر کہ دینی مقاصد میں کوتاہی نہو اسی وجہ سے ارشاد
ہے کہ دنیا اچھا گھر ہے اوس شخص کے لئے جو اوس سے آخرت کا توشہ
کرلے اور برا گھر ہے اوس شخص کے لئے جس کو آخرت سے روکدے
یہ روایت کنز العمال کی کتاب الاخلاق میں مذکور ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ مسلمان کتنا ہی مال حاصل کرے مگر اوس سے
آخرت کا سامان کرے تو وہ سعادت ہی سعادت ہے۔ یہ ضرور نہیں کہ

سب مسلمان فقیر ہی ہو جائیں - ہر چند مسلمان کے لئے تونگری بھی کوئی
بُری چیز نہیں مگر جو معنوی خوبیاں فقر میں ہیں وہ تونگری میں کہاں -
اس لئے آپ اپنے اور اپنے اہل بیت کے لئے فقر ہی کو پسند فرماتے
تھے جیسا کہ شفا میں بخاری اور مسلم سے نقل کیا ہے کہ حضرت یہ دعا کیا
کرتے تھے اللھم اجعل رزق آل محمد قوتا یعنے اے اللہ
محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے آل کا رزق بقدر سد رمق مقرر فرما-
کنز العمال کی کتاب الاخلاق میں روایت ہے کہ ایک بار حضرت نے
فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ میں کسی قسم کا زیور دیکھا ناگوار طبع مبارک
ہوا اور اون سے فرمایا کیا تمہیں اچھا معلوم ہوتا ہے - کہ لوگ کہیں کہ
محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم) کی بیٹی کے ہاتھ میں آگ کی زنجیر ہے
پھر خادم سے فرمایا کہ فلاں قبیلہ میں وہ لیجائیں اور اون کے لئے تانت
کا قلادہ اور ہاتھی دانت کے کنگن لے آؤ انتہے - یہ روایت کتب
صحاح اور مستدرک حاکم میں مروی ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ کے گھر میں
نہ غلام تھا نہ لونڈی حضرت فاطمۃ الزہرا علیہا السلام گھر کے کل کام اپنے
ہاتھ سے کیا کرتیں یہانتک کہ پیسنے سے آپ کے دست مبارک میں
چھالے پڑگئے ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کئی غلام
اور لونڈیاں آئیں علی رضی اللہ عنہ نے آپ کو رائے دی کہ آخر وہ سب

تقسیم ہونے والے ہیں اگر اکا دغلام یا لونڈی حضرت سے مانگ لو تو کاموں میں سہولت ہو جائے گی چنانچہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت کے یہاں گئیں مگر بجائے اس کے کہ حضرت لونڈی یا غلام عنایت کرتے یہ ارشاد فرمایا کہ اس سے بہتر میں تمہیں ایک بات بتاتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہر نماز کے بعد اور سوتے وقت تسبیح و تہلیل و تحمید کیا کرو۔ انتہٰی ملخصًا۔ دیکھئے اوروں کے حق میں تو وہ فیاضیاں کہ کبھی لفظ لا زبان پر آتا ہی نہیں۔ اگر کچھ پاس نہ ہوتا تو قرض لے کر حاجتمندوں کی حاجت روائیاں فرماتے اور خاص اپنے جگر گوشہ بتول علیہا السلام کے ساتھ یہ معاملہ کہ باوجود غلام اور لونڈیاں موجود ہونے کے یہ تدبیر بتائی جا رہی ہے کہ خدا کو یاد کیا کرو اس میں کیا راز تھا؟ ادنےٰ تامل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ آپ کی دلی خواہش یہی تھی کہ اہل بیت کرام مدارج اخروی میں اعلیٰ درجہ کی ترقی کریں جس کا پہلا زینہ فقر اور ترک راحت دنیوی ہے یہی وجہ ہے کہ غیب سے ایسے موقع پیش آتے گئے کہ اہل بیت کو خلافت نہ ملی اس لئے کہ تقدیر الٰہی میں یہ بات ٹھیر چکی تھی کہ خلافت نبوت تیس سال رہے گی اوس کے بعد سلطنت قائم ہو جائے گی جیسا کہ اس حدیث شریف سے ظاہر ہے عن سفینة[۵] رضی اللہ عنہا قال سمعت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول الخلافة

[۵] سفینہ بفتح سین و کسر فاء و نون مفتوحہ بعد تحتانیہ مولی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کنیۃ ابا عبدالرحمن مشہور ۱۲

ثلاثون سنۃ ثم یکون ملکا رواہ احمد والترمذی وابوداؤد کذا فی المشکوٰۃ اور چونکہ تیس سال تک خلافت نبوت کا باقی رہنا ضرور تھا اس لئے حضرت امام حسن علیہ السلام کو ابتدا میں اوس کا خیال پیدا ہوا اور چھہ مہینے تک آپ نے خلافت کی پھر جب اس چھہ مہینے کے ختم پر تیس سال خلافت کے پورے ہوگئے تو یکایک آپ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ ملک کی لڑائی میں مسلمان ناحق قتل ہورہے ہیں اور ساتھ ہی آپ نے معاویہؓ سے صلح کرلی اور خلافت سے دست بردار ہوگئے۔ ہرچند لوگ آپ کو اشتعالک دیتے اور عار دلاتے رہے مگر آپ نے کچھ پروا نہ کی چنانچہ تاریخ الخلفا میں لکھا ہے کہ جب آپ خلافت سے علیحدہ ہوے تو آپ کے اصحاب نے نہایت گستاخی سے کہا یاعار المؤمنین! آپ نے فرمایا العار خیر من النار کسی نے آکر کہا السلام علیک یا مذل المومنین۔ آپ نے فرمایا میں نے مسلمانوں کی ذلت کی غرض سے یہ کام نہیں کیا بلکہ اس بات کو مکروہ سمجھا کہ تم لوگوں کو ملک کی لڑائی میں قتل کراؤں انتہیٰ تاریخ کامل میں لکھا ہے کہ جب آپ بعد معزولی کے کوفہ سے مدینہ منورہ کو جانے لگے تو کوفہ میں کہرام مچگیا کسی نے پوچھا حضرت اس امر پر آپ کو کس چیز نے مجبور کیا فرمایا پہلے تو دنیا سے مجھے کراہت ہوئی دوسرے

اہل کوفہ کی بیوفائی دیکھو میرے والد بزرگوار پر انہوں نے کیسی کیسی مصیبتیں ڈھائیں۔ پھر جب آپ کوفہ سے نکلے تو ایک شخص نے سامنے آکر کہا یا مسود وجوہ المسلمین! یعنے اے مسلمانوں کے منہ کالا کرنے والے آپ نے فرمایا مجھ پر ملامت نہ کرو اس کا اصل سبب کچھ اور ہی ہے جس کو تم نہیں جانتے وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا تھا کہ بنی امیۃ آپ کے منبر شریف پر یکے بعد دیگرے بندروں کی طرح کود رہے ہیں اس پر آپ کو سورۂ اِنَّا اَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَر سے خوش خبری دی گئی کہ جنت میں ایک نہر آپ کو دی گئی ہے جس کا نام کوثر ہے۔ مقصود یہ کہ آپ کے فیضان سے تمام اہل جنت ابدالآباد سیراب رہیں گے) اور سورۃ اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ بھی اسی موقع میں نازل ہوئی جس میں یہ مذکور ہے کہ ایک رات (لیلۃ القدر) ایسی آپ کو دیگئی ہے کہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ جانتے ہو وہ ہزار مہینے کونسے ہیں یہی بنی اُمیہ کی خلافت کے ہیں انتہٰی۔ تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ یہ روایت جامع ترمذی میں موجود ہے اور قاسم بن فضل جو اس حدیث کی سند میں ایک راوی ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم نے شمار کیا تو بنی اُمیہ کی خلافت برابر ہزار مہینے رہی۔ اور لکھا ہے کہ یہ روایت مستدرک حاکم میں بھی ہے۔ اور

خصائص کبریٰ صفحہ (۱۱۹) میں بیہقی سے یہ روایت منقول ہے کہ جب آپ کو بنی اُمیّہ کا منبر شریف پر کودنا ناگوار ہوا تو حق تعالےٰ نے آپ پر وحی کی۔ انماھی دنیا اعطوھا فقرت عینہ یعنے بنی امیہ کو جو دیگئی وہ صرف دنیا ہے اس سے حضرت کی آنکھ ٹھنڈی ہوئی۔ غرضکہ تقدیر الٰہی میں یہ بات مقدر ہو چکی تھی کہ سلطنت جس کو ام الدنیا کہنا چاہیئے بنی اُمیّہ کے گلے ڈالی جائے اور اہل بیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بدارج اخروی مختص ہوں۔ اور ان دونوں کا فرق قرآن شریف میں حق تعالےٰ نے پہلے ہی سے بیان فرمادیا متاع الدّنیا قلیل والاخرۃ خیر و ابقٰی یعنے دنیا کی پونجی تھوڑی ہے اور آخرت بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ چونکہ حضرت امام حسن علیہ السلام کو یقین تھا کہ اہل بیت میں خلافت ہرگز نہ آئیگی۔ اس لئے انتقال کے وقت حضرت امام حسین علیہ السلام کو جو وصیت کی اوس میں یہ بھی فرمادیا کہ خدا کی قسم میں ہرگز خیال نہیں کرتا کہ ہم لوگوں میں خدائے تعالےٰ نبوت اور خلافت جمع کریگا۔ دیکھو کہیں تم سفہائے کوفہ کے دام میں نہ آجانا۔ دیکھئے آپ کو خلافت کے نہ ملنے کا کیسا یقین تھا کہ اوس پر آپ نے قسم کھالی اور یہی ہونا بھی چاہیئے تھا اس لئے کہ عقل یہ ہرگز قبول نہیں کرتی کہ حق تعالےٰ ان

حضرات کو خاص فضیلت دیکر ایک ایسے کام کا مرتکب کرائے جسکو خود مکروہ جانتا ہے۔ خصائص کبریٰ میں امام سیوطی رحمہ نے یہ روایت لکھی ہے اخرج البیھقی وابو نعیم عن ابی عبیدۃ بن الجراح ومعاذ بن جبل عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان ھذا الامر بدأ نبوۃً ورحمۃً ثم یکون خلافۃً ورحمۃ ثم یکون ملکا عضوضا الحدیث یعنے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس امر کی ابتدا نبوت اور رحمت سے ہوئی اوس کے بعد خلافت اور رحمت ہوگی۔ اوس کے بعد کاٹ کھانے والا ملک ہوجائیگا انتہیٰ۔ ابھی معلوم ہوا کہ خلافت نبوت کی مدت صرف تیس [۳۰] سال کی تھی اور اس حدیث سے ظاہر ہے کہ اوس کے بعد کاٹ کھانے والا ملک ہوگا یعنے ملوک وسلاطین کی یہ صفت ہوگی۔ تو اب کہیئے کہ ان حضرات کو اگر خلافت ملتی تو وہ خلافت نبوت تو نہیں ہوسکتی تھی اس لئے کہ وہ مدت ختم ہوچکی تھی تو اب ان حضرات پر اس صفت کے صادق آنے کی ضرورت ہوتی حالانکہ عند اللہ وعند الناس وہ صفت مکروہ ومبغوض ہے۔ غرضکہ حضرت امام حسن علیہ السلام مشیّت کے بھید کو سمجھ گئے تھے اس وجہ سے آپ نے دنیا پر لات ماردی۔ اور امام حسین علیہ السلام

بھی گو سمجھتے ہوئے تھے مگر مشیت الٓہی میں تو یہ تھا کہ علاوہ مراتب فقرو

ترک دنیا کے مظلومیت وشہادت کے اعلیٰ اعلیٰ مدارج اخروی بھی حاصل

ہوں اس لئے اوس کی تمہید امام حسن علیہ السلام کی شہادت ہی کے بعد

پڑی چنانچہ تاریخ الخلفا میں لکھا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کے زمانہ سے

اہل کوفہ نے امام حسین علیہ السلام سے خط وکتابت شروع کردی تھی کہ

آپ علی کرم اللہ وجہہ کے جانشین ہوجائیں مگر آپ ٹالتے رہے پھر جب

یزید بادشاہ ہوا تو اوس کی بداطواریاں دیکھ کر آپ کو کسی قدر خیال پیدا

ہوا چنانچہ کبھی کوفہ کو جانا پسند فرماتے اور کبھی نہ جانا آخر مشیت نے

جانے ہی کی رائے کو مستحکم کیا ہرچند صحابہ مانع ہوتے تھے اور ابن عمرؓ

نے تو صاف کہدیا کہ آپ ہرگز یہاں سے نہ نکلیں کیونکہ خدائے تعالےٰ

نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا تھا چاہے دنیا اختیار فرمائیں

چاہیں آخرت۔ آپ نے آخرت کو اختیار فرمایا چونکہ آپ بھی حضرت ہی

کے جزو ہیں اس وجہ سے آپ ہرگز دنیا حاصل نہیں کرسکتے۔ مگر مشیت

کب ٹل سکتی تھی آپ نے کسی کی نہ مانی۔ آخر ہوا وہی کہ بجائے ترقی دنیوی

ترقی اخروی کے جتنے مدارج تھے سب آپ سے طے کرائے گئے

اور بجائے سلطنت دنیوی کے سیادت اخروی عطا کی گئی۔ ہرچند

ظاہربینوں کی نظروں میں آپ کی ذلت محسوس ہوئی مگر جو لوگ بالغ النظر ہیں

وہ اس کمال ذلت کو کمال درجہ کی عزت مشاہدہ کرتے تھے جس طرح
حدیث شریف میں ہے لخلوف فم الصائم اطیب عند اللہ
من ریح المسک یعنے روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک
مشک کی بو سے بھی بہتر ہے یعنے بظاہر خراب اور باطن میں عمدہ۔
اسی طرح ان حضرات کی دنیوی ذلت خدائے تعالے کے نزدیک
کمال درجہ کی اخروی عزت ہے۔

مستدرک حاکم میں یہ روایت ہے عن انسؓ ان رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم مر بحمزۃؓ یوم احد وقد
جدع ومثل بہ فقال لولا ان صفیۃ تجد لترکتہ
حتی یحشرہ اللہ من بطون الطیر والسباع فکفنہ
فی نمرۃ یعنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنگ احد کے دن حمزہ رضی اللہ
عنہ پر گذرے اور دیکھا کہ اون کے ناک کان وغیرہ اعضا کاٹ ڈالے
گئے ہیں۔ فرمایا اگر صفیہ رضی اللہ عنہا کے غم کا خیال نہ ہوتا تو ان کو میں
اسی حالت پر چھوڑ دیتا تاکہ پرندے اور درندے کھالیں اور اللہ تعالی
اون کے پیٹوں میں سے قیامت کے روز انکا حشر کرلے اس کے بعد
ایک کمل میں لپیٹ کراونہیں دفن فرمادیا۔

دیکھئے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو وہ فضیلت حاصل تھی کہ تمام شہدا کے

آپ سردار بنائے گئے جیسا کہ مستدرک حاکم میں روایت ہے عن
جابر رضؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال
سید الشہداء حمزۃ بن عبد المطلب باوجود
اس کے اون کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال تھا کہ اونکی
لاش بے حرمتی سے اوسی طرح ڈالدی جائے تاکہ ذلت کمال درجہ کو
پہونچ جائے اور رفعت مدارج اخروی میں سے کوئی درجہ باقی رہنے
نہ پائے مگر صفیہؓ کے غم کے خیال سے اس قصد کو آپ نے ترک فرمادیا
اس سے ظاہر ہے کہ سید الشہدا کے وقت ایک بات فروگذاشت
ہوگئی تھی مگر حضرت امام حسینؓ کے مدارج میں منجانب اللہ اوس کی بھی
تکمیل ہوگئی۔ چنانچہ تاریخ کامل میں لکھا ہے کہ زحر بن قیس جو واقعۂ کربلا
میں یزید کے لشکر میں شریک تھا جب یزید کو فتح کی خوش خبری سنانے
آیا تو منجملہ اور واقعات کے ایک واقعہ یہ بھی بیان کیا چنانچہ اوس کا
قول ہے فھاتیك اجساد مجردۃ وثیابھم مرملۃ
وخدودھم معفرۃ تصھرھم الشمس وتسفی علیھم
الریح وزوارھم العقبان والرخم بقاع سبسب
یعنے شہدا کربلا کے اجساد برہنہ اون کے کپڑے خون میں لت پت اور
اون کے رخسار خاک آلود تھے اور دھوپ اون کے جسموں کو گلا رہی تھی

اور ہوائیں اون پر خاک ڈال رہی تھیں اون کے زیارت کرنے والے
مردار خوار پرندے تھے اور ایسے چٹیل میدان میں وہ پڑے ہوئے
تھے جو آبادیوں سے کوسوں دور تھا انتہےٰ۔ غرض کہ اس باب میں
سید الشہدا حمزہ رضی اللہ عنہ سے بھی آپ بڑے رہے۔ اس موقع
میں محبان اہل بیت علیہم السلام کی عجیب حالت ہے جب شہادت
کے واقعہ پر اون کی نظر پڑتی ہے تو یہ معلوم ہونے لگتا ہے کہ اون
حضرات کی ایک ایک ساعت جو بیکسی اور بے بسی کی حالت میں
اون پر گذری ہے اگر عمر بھر اوس پر ماتم کیا جائے تو تھوڑا ہے
اور جب نظر شہادت کے واقعہ سے آگے بڑھتی ہے اور اون مدارج
پر پڑتی ہے جو لاعین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر
علیٰ قلب بشر کے مصداق ہیں تو فرحت بھی ایسی ہوتی ہے
کہ جس کا حساب نہیں۔ یہ بات قابل تسلیم ہے کہ کسی کا دوست سفر کرے
اور راستہ میں اوس کو بڑی بڑی مصیبتوں کا سامنا ہو تو اوس کے
دوست کو ان مصائب کے سننے سے سخت صدمہ ہوگا پھر اگر ساتھ ہی
یہ بھی معلوم ہو جائے کہ وہ ان صدمات کے بعد کہیں کا بادشاہ
ہو گیا اور نہایت عیش و عشرت میں ہے تو وہ صدمہ ایک بڑی
فرحت کے ساتھ مبدل ہو جائے گا۔

بخاری۔ نسائی اور ترمذی وغیرہ سے السیرۃ المحمدیہ میں مولانا کرامت علی صاحب مرحوم نے نقل کیا ہے کہ حارثہ[۱] بن سراقہ رضی اللہ عنہ جب بدر میں شہید ہوئے تو اون کی والدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی یارسول اللہ! آپ جانتے ہو کہ مجھ کو اپنے لڑکے کے ساتھ کیسی محبت تھی اب میں آپ سے پوچھتی ہوں کہ وہ جنت میں پہونچ گیا ہے یا نہیں۔ اگر پہونچ گیا ہے تو میں صبر کرلوں گی ورنہ آپ دیکھ لوگے کہ میں اوس کے غم میں کیا کیا کرونگی۔ حضرت نے فرمایا اے حارثہ کی ماں! جنتیں کئی ہیں ایک نہیں ہے اور تمہارا فرزند فردوس اعلیٰ میں ہے یہ سنکر وہ ثابت قدم مردانہ بیوی نے کہا اب میں صبر کرتی ہوں انتہٰی۔ کیوں نہ ہو جب کسی دوست کے جنت میں جانے کا یقین کامل طور پر ہو جائے تو مسلمان کو اوس سے زیادہ کسی چیز پر خوشی نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ سوائے جنت کے کوئی ایسا مقام نہیں جہاں ابدالآباد ہر قسم کی نعمتوں کا مجموعہ ہو جب عموماً اہل جنت کا یہ حال ہو تو حضرت سید شباب اہل الجنۃ کے نعمتوں کا کیا ٹھکانا۔ اس موقع میں محبان اہل بیت علیہم السلام حالت موجودہ سے لحاظ سے جس قدر افتخار اور خوشی کریں تھوڑی ہے۔ اس لئے کہ ہمارے ولی نعمت فائز المرام اور عمر بھر کی کوششوں میں پورے طور پر

[۱] قال فی المغنی حارثہ بمہملۃ ومثلثۃ وسراقۃ بمضمومۃ وخفۃ راء و بقاف۔

کامیاب ہوئے۔

اس وقت طرفداران یزید یعنے خوارج جو عاشورہ کے روز خوشی کرتے ہیں کہ یزید کو فتح ہوئی اور اہلِ بیت کرام ذلیل ہوئے تو ہم اون سے کہیں گے کہ خوشی کا زمانہ گذر گیا اب حالت موجودہ کے لحاظ سے اوس پر غم بھر نوحہ اور ماتم کرنا چاہیئے کہ معلوم نہیں کس قعر مذلّت میں پڑا ہوا ہے اور اوس عالم میں اوس پر کیا کیا گذر رہی ہے یہ مقولہ بالکل صحیح اور مطابق عقل ہے کہ الماضی لایذکر والحال یعتبر۔

الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منظور نہ تھا کہ سلطنت اہل بیت کرام میں رہے اس لئے کہ وہ زمانہ بحسب علمِ الٰہی و تقدیر ازلی خلافت نبوت کا تھا بلکہ اذیت رساں سلطنت کا تھا جس کا لازمہ ترفّہ ہے اور حضرتؐ کو منظور نہ تھا کہ اہل بیت کرام دنیا میں مرفہ الحال رہیں۔

اسی وجہ سے آپ دعا فرمایا کرتے تھے کہ میرے آل کا رزق کفاف اور قوت بقدر سدِ رمق ہو تاکہ دولت فقر و فاقہ باعث ترقی مدارج اخروی ہو جو پائدار اور ابد الآباد باقی رہنے والے ہیں۔

الحاصل جب بعض اکابر صحابہ نے دیکھا کہ حضرت اپنی ذات اور اپنے خاص اہل بیت کرام کے لئے فقر کو پسند فرماتے ہیں تو انہوں نے بھی فقر ہی کو اختیار کیا اور اس باب میں بھی پوری اتباع کی۔ چنانچہ

کنز العمال کی کتاب الفضائل میں یہ روایت ہے کہ حسن بصریؒ کہتے ہیں
کہ ایک روز میں بصرہ کی مسجد میں گیا دیکھا کہ صحابہ کا مجمع ہے اور ابوبکر او
عمر رضی اللہ عنہما کے زہد کا ذکر ہو رہا ہے میں بیٹھ گیا۔ احنف بن قیس رضی اللہ عنہ
نے یہ واقعہ بیان کیا کہ ایک بار عمر رضی اللہ عنہ نے عراق کی طرف ایک
لشکر روانہ کیا جس میں میں بھی تھا جب عراق اور ملک فارس کے کئی
شہر اور خراسان فتح ہوا اور ہم واپس آئے تو وہاں کے عمدہ لباس
جو ہم ساتھ لائے تھے پہن کر عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے
اونہوں نے ہمیں دیکھ کر منہ پھیر لیا سب صحابہ پر اون کی یہ حرکت
نہایت شاق ہوئی اور اون کے فرزند عبداللہ بن عمرؓ کے پاس گئے
اور اون کی اوس بے التفاتی اور جفا کا حال بیان کیا اونہوں نے
کہا کہ آپ لوگوں پر اونہوں نے اس قسم کا لباس دیکھا جو نہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی پہنا تھا نہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس لئے
بے التفاتی کی ہوگی۔ ہمارے خیال میں بھی یہ بات آگئی اور اپنے
گھر گئے اور اپنا قدیم لباس پہنکر پھر امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے
ہمیں دیکھتے ہی وہ اوٹھ کھڑے ہوئے اور ایک ایک شخص پر سلام
کر کے معانقہ کیا اوس وقت یہ معلوم ہو رہا تھا کہ گویا اونھوں نے ہمیں
پہلے دیکھا ہی نہ تھا پھر ہم نے غنیمتیں جو عراق وغیرہ سے لائی تھیں پیش

کیں اونہوں نے اوسی وقت سب علی السّویہ تقسیم کردیا۔ پھر ہم نے وہاں کئی
غذائیں پیش کیں اون کو چکھ کر فرمایا اے گروہ مہاجرین و انصار! یہ خوش ذائقہ
اور خوشبودار غذائیں وہ ہیں جن کی وجہ سے تمہارے بیٹے اپنے باپ اور
بھائیوں کو قتل کریں گے یہ کہکر وہ کھانے اون لوگوں کی اولاد کے
یہاں بھیجدیئے جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو شہید ہوے تھے
اور برخواست کرکے چلے گئے۔ ہم لوگ بھی اون کے ساتھ اوٹھے اور
باہم گفتگو ہوئی کہ اون کے ہاتھ پر قیصر و کسریٰ کے ملک اور مشرق و
مغرب کے بلاد مفتوح ہوئے اب عرب و عجم کے وفود اون کے پاس آئینگے
جب امیر المومنین کی یہ حالت دیکھینگے کہ ایک فرتوت جبہ پہنے ہیں جس پر
بارہ پیوند لگے ہیں تو کیا خیال کرینگے؟ حالت موجودہ کے لحاظ سے ضرور
ہے کہ کبار صحابہ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہادوں میں حاضر تھے
اور مہاجرین و انصار اون سے کہکر یہ جبہ بدلوائیں اور ایسا لطیف
لباس پہنائیں کہ دیکھنے سے لوگوں پر ہیبت خلافت طاری ہو۔ اور
نیز یہ درخواست کریں کہ صبح و شام مہاجرین کے ساتھ عمدہ عمدہ غذائیں
کھایا کریں۔ سب نے کہا کہ یہ کام سوائے علی کرم اللہ وجہہ کے اور کسی سے
نہوگا وہ امیر المومنین کے خسر ہیں جرأت سے کہہ سکتے ہیں یا اونکی
صاحبزادی حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا جائے۔ کیونکہ وہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہیں حضرت کے خیال سے اون کی بات مان لینگے
غرضکہ بیداسے قرار پائی کہ پہلے علی کرم اللہ وجہہ کے پاس جائیں چنانچہ
سب اون کے پاس گئے اور وہ کل تقریر کی۔ اونہوں نے فرمایا یہ کام
میں نہ کروں گا۔ ازواج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہو تو البتہ وہ
جرأت کر سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ اُمّہات المومنین ہیں۔ چنانچہ ہم لوگ عائشہ
اور حفصہ رضی اللہ عنہا کے خدمت میں حاضر ہوے جو اتفاق سے ایک ہی
مکان میں تھیں اور وہ کل تقریر کر کے درخواست کی کہ عمر رضی اللہ عنہ سے اس باب میں گفتگو
کریں عائشہ رضی اللہ عنہا نے قبول کیا مگر حفصہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے امید نہیں
کہ وہ قبول کریں گے۔ بہر حال دونوں بیویاں امیر المومنین کے گھر تشریف
لے گئیں اونہوں نے نہایت اکرام سے اون کو بٹھایا۔ عائشہ رضی اللہ
عنہا نے کہا۔ امیر المومنین کیا آپ مجھے کچھ کہنے کی اجازت دو گے کہا یا
ام المومنین! فرمائیے۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
جنّت اور رضاے الٰہی کی طرف اوس حالت میں گئے کہ نہ دنیا کا اونہوں
نے ارادہ کیا نہ دنیا اون کے پاس آئی اسی طرح ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی
حضرت کے پیچھے سدھارے اور خدا ے تعالٰے نے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے ساتھ اون کو ملادیا اون کا بھی یہی حال رہا کہ نہ دنیا کا ارادہ
اونہوں نے کیا نہ دنیا اون کے پاس آئی اب خداے تعالٰے نے آپ کے

ہاتھ پر کسریٰ و قیصر کے خزانے اور اون کے ملک فتح کرائے اور اون کے اموال آپکے روبرو لائے گئے اور مشرق و مغرب کے لوگ آپکے مسخر ہوئے ہم اللہ سے امید رکھتے ہیں کہ اس سے زیادہ فتح اور اسلام کی تائید آپکے ہاتھ پر کرائے۔ اب آپکے پاس عجم کے ایلچی اور عرب کے وفود آئیں گے۔ جب آپکا یہ جبہ دیکھیں گے جس پر بارہ پیوند لگے ہیں تو کیا کہیں گے۔ مناسب یہ ہے کہ آپ اسکو بدل کر کوئی نرم لباس پہنیں جس سے اون کی نظروں میں آپکی وقعت ہو اور صبح و شام آپ مہاجرین و انصار کو ساتھ لیکر عمدہ عمدہ غذائیں کھائیں۔ یہ سنکر عمر رضی اللہ عنہ زار زار رونے لگے اور کہا آپکو میں خدا کی قسم دیتا ہوں آپ سچ سچ بتائیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال تک کبھی گیہوں کی روٹی سیری سے دس روز یا پانچ روز یا تین روز متواتر کھائی تھی یا انتقال تک کسی روز صبح بھی کھایا اور شام بھی؟ فرمایا کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا پھر پوچھا آپ جانتی ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے کے لئے کبھی مائدہ رکھا جاتا تھا جو زمین سے ایک بالشت اونچا ہو یا کھانا زمین ہی پر رکھا جاتا اور مائدہ اوٹھالیا جاتا تھا پھر دونوں بیویوں کی طرف متوجہ ہوکر کہا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج اور اُمہات المؤمنین ہو اور آپ کا حق تمام مسلمانوں پر ہے خصوصاً مجھ پر لیکن آپ میرے یہاں اس غرض سے تشریف لائی ہیں کہ مجھے

دنیا کی رغبت دلائیں میں نہیں جانتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صوف کا جبہ پہنتے تھے جو اتنا سخت و درشت ہوتا تھا کہ اکثر جسم مبارک اوس کی خشونت سے چھل جاتا تھا کیا آپ بھی اسکو جانتی ہو؟ کہا سچ ہے۔ پھر کہا کیا آپ نہیں جانتیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے گھر میں ٹاٹ پر آرام فرماتے تھے جو دن کو فرش ہوتا اور رات کو بستر اور بارہا میں نے دیکھا ہے کہ بوریئے کا اثر جسم مبارک پر رہتا تھا۔ اور اے حفصہ! تم ہی نے مجھ سے کہا تھا کہ ایک رات تم نے ٹاٹ کو دوہرا کر کے بچھا دیا جس کی نرمی سے حضرت کی آنکھ لگ گئی اور بلال کی اذان سے بیدار ہوئے اور فرمایا اے حفصہ! تم نے یہ کیا کیا۔ دُوہرے ٹاٹ پر سونے سے صبح تک مجھ پر نیند کا غلبہ رہا مجھے دنیا سے اور دنیا کو مجھ سے کیا تعلق۔ اے حفصہ! کیا تم نہیں جانتیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے پچھلے گناہ سب معاف کر دے گئے تھے باوجود اس کے آپ دن بھر بھوکے رہتے اور اکثر اوسی حالت میں سوتے اور رکوع و سجود اور گریہ وزاری اور خشوع میں دن رات گذارتے یہانتک کہ خدائے تعالے نے اپنی رحمت اور رضوان میں آپ کو بلا لیا۔ اور یہی حال ابو بکر رضی اللہ عنہ کا تھا۔ اب عمر نہ عمدہ غذائیں کھائیگا نہ نرم لباس پہنے گا اوسکو اپنے دونوں صاحبوں کی اقتدا کرنی ہے اور نہ کبھی وہ دو سالن کھا سکتا ہے سوائے نمک اور تیل کے اور نہ ہر مہینے میں سوائے ایک بار

سے گوشت کھائیگا یہانتک اوس کی عمر پوری ہوجاے یہ سُنکر دونوں
بیویاں تشریف لیگئیں اور جو کچھ سُنا تھا سب صحابہ سے کہدیا پھر جس طرح
عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا انتقال تک اون کی وہی حالت رہی۔ انتہیٰ
دیکھئے پوری اتباع اسے کہتے ہیں کہ تقریباً کل صحابہ اور اُمہات المومنین
ایک طرف ہیں اور بحسب مصلحت وقت بالاتفاق کہہ رہے ہیں کہ حضرت لباس
اچھا پہنے اور کھانے اچھے کھاے جس سے نفس کا بھی حق ادا ہوا اور شوکت
اسلام بھی نمایاں ہو اور دوسروں کی نظروں میں بادشاہِ اسلام کی رقعت
زیادہ ہو اور یہ سب مقتضاے عقل تھا مگر عمر رضی اللہ عنہ نے (جو اوس وقت
صحابہ میں افضل مانے جاتے تھے اور عقل و فراست میں اون کی نظیر نہیں
مل سکتی) کسی کی نہ مانی اور صرف اتباع نبوی کے لحاظ سے فقر و فاقہ ہی
میں عمر بسر کی یہ ہے حال اون کا جو سب سے زیادہ دینی عقل رکھتے تھے۔
اب علی کرم اللہ وجہہ کا بھی تھوڑا سا حال سُن لیجئے۔ کنز العمال کی
کتاب الفضائل میں یہ روایت ہے کہ ارقم کہتے ہیں کہ میں رحبہ کوفہ میں
دیکھا کہ علی کرم اللہ وجہہ کے دست مبارک میں تلوار ہے اور فرما رہے
ہیں کہ اس تلوار کو کوئی خرید کرنے والا ہے اور قسم کھاکر فرماتے تھے
کہ اس تلوار سے میں نے کئی بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو
کفار سے میدان خالی کرا لیا اگر میرے پاس تہبند کی قیمت ہوتی تو اسکو

ہرگز نہ بیچتا۔ انتہی۔ اس سے مترشح ہے کہ آپ کے پاس صرف ایک تہ بند تھا اور وہ بھی پرانا اگر دوسرا ہوتا تو اوس انمول اور متبرک تلوار کو بیچنے کا ارادہ ہرگز نہ فرماتے پھر یہ بھی نہیں کہ کوئی بیش قیمت تہ بند آپ کو مطلوب تھا اس لئے کہ کنز العمال ہی میں یہ روایت بھی موجود ہے کہ راوی کا بیان ہے کہ میں نے آپ کے تہ بند کو دیکھا کہ نہایت موٹا ہے اور خود آپ نے اپنی زبان سے فرمایا کہ پانچ درہم کو اسے میں نے خریدا ہے۔ دیکھئے پانچ درہم کوئی بڑی چیز نہیں ایک روپے کے اندازہ میں ہوتے ہیں مگر ایک عرصہ تک آرزو رہی کہ کسی جائز طریقہ سے ملیں تو ستر عورت کے لئے اون سے تہ بند خریدیں مگر نہ ملے یہانتک کہ اوس بے نظیر تلوار کو بیچنے کی ضرورت ہوئی۔ یہاں یہ خیال نکیا جائے کہ شاید یہ حالت آپ کی خلفائے ثلاثہ کے زمانہ میں ہوگی جس سے یہ خیال پیدا ہو کہ اس درجہ آپ کو اون لوگوں نے تنگ کر رکھا تھا یہ خود آپکی عین خلافت کا واقعہ ہے کیونکہ یہ واقعہ کوفہ کا ہے جس کو آپ ہی نے دار الخلافہ بنایا تھا آپ سے پہلے خلفاء مدینۂ طیبہ میں مقیم رہے۔ غرض کہ اس قسم کے واقعات سے جو بہ کثرت سیر و تواریخ میں مذکور ہیں اہل انصاف سمجھ سکتے ہیں کہ ان حضرات کو خلافت سے نہ آسائش مقصود تھی نہ نام آوری بلکہ جہاں اور اختیاری مصیبتیں تھیں یہ بھی ایک تھی جس میں محض عبادت کی غرض سے اپنی جان کو ڈال رکھا تھا چنانچہ کنز العمال میں کئی کتابوں سے

یہ روایت منقول ہے کہ ابی مطر کہتے ہیں کہ میں ایک بار مسجد سے نکل کر جا رہا تھا کہ پیچھے سے آواز آئی کہ تہ بند اوٹھاؤ میں نے مڑکر دیکھا تو علی کرم اللہ وجہہ ہیں اور آپ کے دست مبارک میں دُرہ ہے میں آپکے ساتھ ہو لیا پہلے اونٹوں کے بازار میں تشریف لے گئے اور تاجروں سے فرمایا کہ بیچو مگر قسم مت کھاؤ کہ اوس سے چیز بک تو جاتی ہے۔ مگر برکت جاتی رہتی ہے وہاں سے کھجور بیچنے والے کے دوکان پر تشریف لے گئے دیکھا کہ ایک غلام رو رہا ہے اوس سے حال دریافت کیا اوس نے کہا کہ ایک درہم کے کھجور اس سے میں نے خریدے مگر میرے مالک نے واپس کیا اور یہ نہیں لیتا۔ آپ نے اوس سے واپس لینے کو فرمایا مگر اوس نے تامل کیا میں نے کہا تو جانتا نہیں یہ کون ہیں یہ علی امیر المومنین ہیں اوس نے کھجور لیکر درہم دیدیا پھر دوسرے خرما فروشوں کی دوکانوں پر گئے اور فرمایا کہ مسکینوں کو کھلاؤ گے تو تمہارے کسب میں برکت ہوگی۔ پھر مچھلی بیچنے والوں کی دوکانوں پر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ ہمارے بازار میں طافی یعنے وہ مچھلی جو مرکر پانی کے اوپر آجاتی ہے نہ بیچنا پھر پارچہ فروشوں کی دوکانوں پر گئے اور فرمایا کہ تین درہم کا ایک قمیص ہمیں دو مگر جب دیکھا کہ دوکاندار آپکو پہچانتا ہے تو اوس سے نہیں خریدا اور دوسری دوکان پر تشریف لے گئے دیکھا کہ وہ بھی پہچانتا ہے تو اوس سے بھی نہ لیا۔

پھر ایک نوجوان لڑکے کی دوکان پر گئے جو آپ کو پہچانتا نہ تھا اور تین درہم کا ایک قمیص خریدا جب اوس کا والد دوکان پر آیا تو کسی نے اوسکو خبر دی کہ تمہارے لڑکے نے امیرالمومنین کے ہاتھ ایک قمیص تین درہم کو بیچا ہے اوس نے خفا ہو کر کہا کہ امیرالمومنین سے ایک درہم زیادہ کیوں لیا اور ایک درہم لیکر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یہ درہم واپس لیجئے فرمایا کیا وجہ؟ کہا اوس قمیص کی قیمت دو درہم ہے فرمایا بیع و شرا تراضی طرفین سے ہو گئی اب اس کی ضرورت نہیں انتہٰی۔ یہی روایت ملا محمد باقر مجلسی نے بھی بحار الانوار فی فضائل سید الاخیار کی نویں جلد میں نقل کی ہے۔

کنز العمال میں مروی ہے کہ زاذان کہتے ہیں کہ علی کرم اللہ وجہہ اپنی خلافت کے زمانہ میں بازاروں میں پھر کر راستہ بھولے ہوؤں کو راستہ بتلاتے کسی کی چیز گم ہوئی ہو تو اوس کی تلاش کرتے ضعیفوں کی مدد کرتے بقالوں اور عموماً دوکانداروں کے پاس جاکر اون کو قرآن سُناتے تھے۔

اور نیز بحار الانوار فی فضائل سید الاخیار جو حضرات شیعہ کی معتبر کتاب ہے اوس میں منقول ہے کہ ایک روز علی کرم اللہ وجہہ کے روبرو خوان رکھا گیا جس میں فالودہ تھا۔ آپ نے اونگلی سے اوسے چکھا اور فرمایا طیبٌ۔ طیبٌ یعنی مکرر فرمایا کہ یہ اچھا ہے اور اوس کے بعد فرمایا کہ وہ حرام نہیں ہے۔ لیکن میں جن چیزوں کا عادی نہیں ہوں اون کی عادت کرنا نہیں چاہتا۔ چونکہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کبھی نہیں کھایا۔ اس لئے ایسی چیز کھانی مکروہ سمجھتا ہوں۔ اور اوسی میں یہ روایت بھی ہے کہ ابوجندب کہتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایک بار سوکھی روٹی کھا رہے تھے اور درشت لباس آپ کے جسم مبارک پر تھا میں نے اس باب میں کچھ عرض کیا فرمایا اے ابوجندب! میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ اس سے بھی زیادہ سوکھی روٹی کھاتے اور اس سے زیادہ خشن لباس پہنتے تھے۔ اگر میں ایسا نہ کروں تو مجھے خوف ہے کہ حضرت کے ساتھ نہ مل سکوں۔ اور یہ روایت بھی اوسی میں ہے کہ قبیصہ ابن جابر کہتے ہیں کہ میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو علی کرم اللہ وجہہ سے زہد اور دنیا کی بے رغبتی میں بڑھا ہوا ہو۔ اور نیز یہ روایت بھی اوسی میں ہے کہ ضرار ابن حمزہ کہتے ہیں کہ ایک رات آپ بہت بیقرار تھے اور دنیا کی طرف خطاب کر کے فرما رہے تھے " هیهات غری غیری لاحاجة لی فیك قد طلقتك ثلاثا لا رجعة فیها " یعنے اے دنیا! تو کسی اور کو فریب دے مجھے تجھ سے کچھ حاجت نہیں ہے میں تجھے تین طلاق دے چکا ہوں جن سے پھر رجعت نہیں ہو سکتی اور اوسی میں کشف سے نقل کیا ہے کہ عنترہ کہتے ہیں کہ ایک روز میں علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں گیا دیکھا کہ پرانی چادر اوڑھے

ہوے کانپ رہے ہیں میں نے عرض کی یا امیر المومنین! حق تعالےٰ نے آپ کے اور آپ کے اہل بیت کے لئے اس مال میں عام حق مقرر فرمایا ہے اور آپ کی یہ حالت کہ اپنے نفس پر ایسی سختیاں اوٹھا رہے ہیں کہ دیکھی نہیں جاتیں فرمایا میں تمہارے اموال میں سے کچھ لینا نہیں چاہتا یہ چادر وہ ہے جسکو مدینہ سے لیکر میں نکلا تھا اس کے سوا میرے پاس کوئی دوسری چادر نہیں۔ اور اوسی میں ایک روایت بھی ہے کہ ایک بار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے روبرو خوان لایا گیا جو سربمہر تھا کسی نے کہا حضرت خوان کو سربمہر کرنا تو بخیلوں کا کام ہے حضرت نے تبسم فرمایا جب وہ کھولا گیا تو اوس میں تھوڑا سا ستو تھا اوس وقت آپ نے فرمایا میں یہ احتیاط اس واسطے کرتا ہوں کہ کہیں ایسی چیز کھانے میں نہ آجائے جو مشتبہ ہو۔ انتہےٰ۔

دیکھئے ستو جو غذاؤں میں بالکل بے قدر چیز ہے اوس کا اس قدر قابل قدر اور عزیز ہونا اس بات پر دلیل ہے کہ آپ بیت المال سے کچھ نہیں لیتے تھے۔ جیسا کہ روایت سابقہ سے ظاہر ہے۔

نہج البلاغۃ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول نقل کیا ہے

واللہ لدنیاکم ھذہٖ اھون فی عینی من عراق خنزیرفی یدمجذوم یعنے خدا کی قسم یہ جو تمہاری دنیا ہے میری آنکھوں میں

اس سے بھی زیادہ خوار و ذلیل ہے جو خنزیر کی اوجھڑی کسی جذامی کے ہاتھ میں ہو۔ دیکھئے اوّل تو اوجھڑی اوس پر خنزیر کی اور وہ بھی جذامی کے ہاتھ میں کس قدر مکروہ طبع ہو گی۔ یہ اپنے صدق دل سے فرمایا تقیہ کو اس میں کوئی دخل نہیں۔

یہاں قابل غور یہ بات ہے کہ ایک وسیع سلطنت کے انتظامات کو بذات خود انجام دینا وہ بھی اس احتیاط کے ساتھ کہ کہیں ایسی بات وقوع میں نہ آجائے جو باعث عتاب آلٰہی ہو اور اوس پر باغیوں کا مقابلہ اور جنگ کی تیاریاں جس سے کبھی فرصت ہی نہ ملی۔ کوئی آسان بات نہیں۔ پھر علاوہ اس کے کوفہ جیسے غدار شہر میں بازار بازار اور دوکان دوکان امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے پھرنا اور اون کو قرآن پڑھ پڑھ کر سنانا اور راہ بھٹکے ہوؤں کو راستہ بتانا اور ضعیفوں کی مدد کرنا پھر اتنے کاموں کے بعد اپنے ذاتی کسب سے حلال روزی طلب کرنا کیا ہر کسی سے یہ ہونے کے کام ہیں ؟

اب یہاں عقلا کو تھوڑی سی توجہ کرنے کی ضرورت ہے کہ جس خلافت کا یہ حال ہو کہ نہ کھانے کو پیٹ بھر روٹی ملے نہ پہننے کو کپڑا اور اوس پر لوگوں کے کاموں کی کثرت اس قدر کہ اپنے ذاتی کسب معاش کیلئے فرصت ملنی دشوار پھر ہر وقت یہ خوف لگا ہوا کہ مبادا کسی کام میں غفلت

ہو تو عتاب الٰہی ہو جائے کیا ایسی خلافت اس قابل ہو سکتی ہے کہ آدمی
شوق سے اوسکو قبول کر سکے؟ میری رائے میں تو ایسی خلافت قبول
کرنے کے لئے کچھ نذرانہ بھی قبولا جائے تو کوئی عاقل اوسکو قبول نکریگا
مگر چونکہ وہ صرف عبادت ہی عبادت تھی اس لئے اون حضرات نے
اوس کو قبول کیا تھا۔

بحار الانوار کی جلد نہم (۵۰۰) میں ملائے مجلسی موصوف نے تصریح
لکھا ہے کہ صحابہ میں ورع کے ساتھ معروف یہ حضرات ہیں۔ علی۔ ابوبکر
عمر۔ ابن مسعود۔ ابو ذر۔ سلمان۔ عمار۔ مقداد۔ عثمان بن مظعون رضی اللہ
عنہم۔ ایسے حضرات جن کے ورع کے شیعہ اور سنی دونوں قائل ہیں
کیونکر خیال کیا جا سکتا ہے کہ خواہش نفسانی نے اون کو خلافت پر
آمادہ کیا تھا غرضکہ وہ خلافت ایسی نہ تھی جیسی کہ فی زماننا سمجھی گئی ہے کہ
جب کسی شیخ طریقت کا انتقال ہو گیا تو اون کا فرزند یا پوتا یا نواسہ مستحق
خلافت ہو گیا اور فاتحہ سیوم کے روز سب مرید جمع ہو کر مستحق کو خلیفہ اور
صاحب سجادہ بنا دیا۔ اگر وہ خلافت بھی اسی قسم کی ہوتی تو خود آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم حضرت امام حسن علیہ السلام کو اپنا خلیفہ مقرر فرماتے اور
اگر حضرت نے نہیں بھی فرمایا تو سب مسلمان بلحاظ جزئیت اونہی کو خلیفہ
قرار دیتے اور تو اور خود علی کرم اللہ وجہہ کی بھی نوبت نہ آتی برخلاف اسکے

وہاں تو بات ہی کچھ اور تھی۔

حاکم رح نے مستدرک میں یہ حدیث لکھی ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ آپ کے بعد ہم کس کو امیر بنائیں فرمایا اگر ابو بکر رض کو بناؤ گے تو اون کو ہادی اور امین اور دنیا سے بے تعلق اور آخرت کے راغب پاؤ گے۔ اور اگر عمر رض کو بناؤ گے تو اون کو قوی امین اور ایسے شخص پاؤ گے کہ خدا کے معاملہ میں کسی کی ملامت کا اون کو خوف نہیں اور اگر علی رض کو بناؤ گے تو اون کے ہادی و مہدی پاؤ گے جو تمہیں سیدھی راہ پر لے چلے اور میں نہیں خیال کرتا کہ تم اون کو امیر بناؤ گے انتہٰے۔ دیکھئے حاکم رح باوجودیکہ شیعی تھے جیسا کہ کتب رجال سے ظاہر ہے۔ وہ اس روایت کو نقل کرتے ہیں تو کہئے کہ کس درجہ وہ قابل وثوق ہوگی۔ غرضکہ جن حضرات کا نام آپ نے لیا اون میں قرب قرابت کا کوئی لحاظ نہ تھا۔ بلکہ صلاحیت ذاتی مدنظر تھی۔ پھر صدیق اکبر رض نے عمر رض کو خلافت دی باوجودیکہ آپ کے صاحبزادے موجود تھے۔ پھر عمر رض نے خلافت کو شوریٰ پر محمول کیا حالانکہ آپ کے بھی صاحبزادے موجود تھے۔

تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ کسی نے عمر رض سے کہا کہ آپ نے اپنے فرزند عبد اللہ بن عمر رض کو خلیفہ کیوں نہیں بنایا فرمایا خدا تجھے غارت کرے

کیا ایسے شخص کو خلیفہ بناؤں جو اپنی عورت کو اچھی طرح طلاق نہ دیسکا۔ مطلب یہ کہ خلافت کے لئے علم ولیاقت درکار ہے قرابت کا کوئی لحاظ نہیں۔ اسی طرح عثمانؓ کے فرزند بھی موجود تھے مگر اون کو نہ آپ نے خلیفہ بنایا نہ مسلمانوں نے۔ اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کہا گیا آپ اپنا خلیفہ ہم پر مقرر نہیں کرتے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا خلیفہ مقرر نہیں فرمایا پھر میں کیونکر کرسکتا تھا۔

پھر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جو خلیفہ مقرر ہوے سو وہ بھی خواہش سے نہیں۔ چنانچہ تاریخ الخلفا وغیرہ میں لکھا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو عمر رضی اللہ عنہ ابو عبیدۃ بن الجراح رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہا کہ ہاتھ بڑھائیے تاکہ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کروں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی روسے آپ کا امین اُمت ہونا ثابت ہے اونہوں نے کہا اے عمرؓ! جب سے تم اسلام لائے ہو کبھی میں نے تم سے ایسی بے وقوفی کی حرکت نہیں دیکھی جو اسوقت دیکھ رہا ہوں۔ کیا تم مجھے خلیفہ بنانا چاہتے ہو؟ حالانکہ۔ صدیق۔ ثانی اثنین مسلمانوں میں موجود ہیں۔ ازالۃ الخفا میں مولانا شاہ ولی اللہ صاحب نے بخاری وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ عمرؓ کہتے ہیں کہ جب خلافت کا معاملہ انصار سے طے ہوا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے میرا اور ابو عبیدۃ

ابوبکرؓ کا خلافت سے انکار کرنا

ابن الجراح کا ہاتھ پکڑکر اون سے کہا کہ میں راضی ہوں کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کے ہاتھ پر بیعت کرلو۔ اور ایک روایت میں ہے کہ عمرؓ نے انصار سے کہا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرو اونہوں نے کہا اے عمرؓ! تم مجھ سے قوی ہو۔ اونہوں نے کہا آپ مجھ سے افضل ہو پھر ابوبکرؓ نے وہی کہا اور عمرؓ نے وہی جواب دیا۔ جب تیسرے بار ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ میری قوت آپ کے ساتھ رہے گی۔ اور آپ افضل ہی ہیں یعنے فضیلت اور قوت دونوں آپ کے لیئے ہیں اوس وقت آپ نے بیعت لی تھی۔ اور اوسی میں مستدرک حاکم سے نقل کیا ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خطبہ پڑھا اور اوس میں یہ بیان کیا کہ میں خدا کی قسم کھاکر کہتا ہوں کہ کسی دن یا کسی رات میں نے امارت کی حرص نہیں کی اور نہ مجھے اوس کی رغبت تھی اور نہ کبھی میں نے خدائے تعالےٰ سے ظاہر میں یا پوشیدہ طور پر اوس کی درخواست کی لیکن جب دیکھا کہ فتنہ کا خوف ہے اس لئے ضرورۃً قبول کیا۔ مجھے امارت میں کوئی راحت نہیں ایک ایسے بڑے کام کا بوجھ میں نے اوٹھایا ہی کہ مجھ میں اوس کی طاقت نہیں جب تک خدائے تعالےٰ مجھے طاقت نہ دے اور مجھے اب بھی آرزو ہے کہ کوئی شخص میری جگہ ہو اور اوسکو سرانجام دے۔ انتہیٰ۔

تاریخ الخلفا میں مستدرک حاکم سے نقل کیا ہے کہ ایک روز ابوبکر رضی اللہ عنہ کسی باغ میں گئے دیکھا کہ ایک چڑیا جھاڑ کے سایہ میں بیٹھی ہے ایک لمبی سانس کھینچکر کہا اے چڑیا! تو بڑی خوش قسمت ہے کہ جھاڑوں سے کھالیتی ہے اور اون کے سایہ میں راحت پاتی ہے کاش ابوبکر بھی تجھ سا ہوتا انتہے - اور اوسی میں امام احمد رح کے کتاب الزہد سے نقل کیا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قول تھا کہ کاش میں کسی ایماندار کے پہلو کا ایک بال ہوتا اور کبھی فرماتے مجھے آرزو آتی ہے کہ کاش میں جھاڑ ہوتا جسکو جانور کھالیتے انتہے -

ازالۃ الخفا میں محب طبری کی کتاب الموافقہ سے نقل کیا ہے کہ ایک روز عمرؓ مدینہ منورہ کے راستہ میں جا رہے تھے کہ حضرت علیؓ اودھر سے تشریف لائے اور آپ کے ہمراہ امام حسن و امام حسین علیہما السلام بھی تھے - علی کرم اللہ وجہہ بعد سلام اون کے ہاتھ میں ہاتھ ملائے ہوئے ساتھ ہو لئے اور دونوں صاحبزادے دونوں بازو پر ہو گئے دیکھا کہ عمرؓ رو رہے ہیں پوچھا اے امیر المومنین! آپ کیوں رو رہے ہو - کہا اے علی! مجھ سے زیادہ رونے کا مستحق کون ہے میری یہ حالت ہے کہ میں اس اُمت کا والی بنایا گیا ہوں اون میں حکم کرتا ہوں معلوم نہیں میں گنہگار ہو رہا ہوں یا اچھا کام کر رہا ہوں علی رضی اللہ عنہ نے کہا

میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آپ معاملات میں عدل کرتے ہو مگر اس سے آپ کا رونا تھمانہیں۔ اس کے بعد امام حسن علیہ السلام نے آپ کے عدل وغیرہ کا حال بیان کرکے تسکین دی جب بھی آپ روتے رہے اس کے بعد امام حسین علیہ السلام نے آپ کے عدل وغیرہ کا حال بیان کرکے تسکین دی اوس وقت آپ کا رونا تھما۔ اور دونوں صاحبزادوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا کیا آپ اس کی گواہی دیتے ہو دونوں صاحبزادے اپنے والد ماجد کی طرف دیکھنے لگے علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہاں گواہی دو میں بھی تمہارے ساتھ گواہی دیتا ہوں انتہٰے۔ یہ رونا دھونا خلافت ہی کی بدولت تھا جس نے اون کی جان کو آفت میں ڈال رکھا تھا۔

تاریخ الخلفا میں شعب الایمان سے نقل کیا ہے کہ عمرؓ آرزو کرتے تھے کہ کاش میں دنبہ ہوتا لوگ جتنا چاہتے مجھے موٹا کرتے پھر جب کبھی اون کے یہاں کوئی دوست مہمان آتا تو مجھے ذبح کرتے اور تھوڑا گوشت بھونتے اور کچھ کباب بناتے اور کھاتے انتہٰے۔

غور کیجئے کہ کس قدر خوف ان حضرات پر طاری ہوگا کہ اس قسم کی تمنا کرتے تھے؟ اسی نرالی حالت نے اون کو ایسا بنا دیا تھا کہ اون سے جو فعل صادر ہوتے وہ بھی نرالے ہوتے تھے۔ دیکھئے عمر رضی اللہ عنہ کے حال میں تاریخ الخلفا وغیرہ میں لکھا ہے کہ وہ اکثر راتوں کو گشت

کرتے اور لوگوں کے حالات خفیہ طور پر دریافت کرکے اون کی حاجت روائیاں کرتے اور دن کو فصل خصومات قضاے حاجات انتظام سلطنت اور خبر گیری رعایا وبرایا میں مشغول رہتے یہانتک کہ غنیمت کے اونٹوں کی خدمت بھی اپنی ذات سے کرتے تھے۔ چنانچہ اون کی پیٹھ پر زخم پڑتے تو اپنا ہاتھ زخم میں ڈال کر صاف کرتے اور دوا لگاتے اور کہتے کہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں خداے تعالے تمہارے باب میں مجھ سے سوال نکرے انتہی۔ عمرؓ کے حالات پر نظر ڈالی جاے تو صاف معلوم ہوگا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے امر واجب الامتثال کے لحاظ سے خالصاً لوجہ اللہ خدمت گذاری خلق کو آپ نے قبول کیا تھا۔

علی کرم اللہ وجہہ کا خلافت سے انکار کرنا

پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کا جب وقت آگیا اور صحابہ نے آپ سے درخواست کی تو آپ نے بھی انکار ہی کیا۔ چنانچہ تاریخ کامل وغیرہ میں لکھا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مہاجرین وانصار جمع ہوئے جن میں طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما بھی تھے اور بالاتفاق یہ راے قرار پائی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ پر بیعت ہونی چاہیے چنانچہ سب اسی غرض سے آپ کے پاس آئے اور آپ نے فرمایا مجھے اس خدمت کی حاجت نہیں آپ لوگ جسکو چاہو اختیار کرو میں راضی ہوں۔ سب نے کہا ہم آپ کے سواے کسی دوسرے کو پسند نہیں

کرتے کئی بار طرفین سے یہی رد و قدح ہوتی رہی آخر سب نے کہا کوئی
شخص ایسا نہیں جو آپ سے زیادہ اس خدمت کا مستحق ہو جو قرابت آپکو
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے اور جو دین میں آپکو قدامت
حاصل ہے وہ کسی کو نہیں آپ نے کہا مجھے معاف کرو میں مصلحت اسی
میں دیکھتا ہوں کہ میں وزیر رہوں اور کوئی دوسرا امیر ہو۔ سب نے کہا
خدا کی قسم ہم جب تک آپ کے ہاتھ پر بیعت نہ کریں گے کوئی کام
نہ کریں گے۔ آپ نے مجبور ہو کر قبول فرمایا چنانچہ پہلے طلحہ رضی اللہ
عنہ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ حبیب ابن ذویب نے یہ دیکھتے
ہی اِنّا لِلّٰہِ پڑھا۔ اور کہا کہ مجھے امید نہیں کہ یہ کام انجام پائے اس لئے
کہ پہلے جو ہاتھ بیعت کے لئے پیش ہوا وہ شل ہے۔ پھر زبیر رضی اللہ
عنہ نے بیعت کی اوس وقت بھی آپ نے فرمایا کہ اگر آپ میرے
ہاتھ پر بیعت کرنے کو پسند کرتے ہو تو خیر ورنہ میں آپ کے ہاتھ پر
بیعت کرتا ہوں اونہوں نے کہا کہ ہم سب یہی پسند کرتے ہیں کہ آپکے
ہاتھ پر بیعت کریں انتہٰے۔ اور اوسی میں لکھا ہے کہ معاویہ رضی اللہ
عنہ نے جب آپ کے پاس کچھ پیام کہلایا اوس وقت آپ نے
خطبہ پڑھا۔ جس میں یہ بات بھی فرمائی کہ جب لوگوں نے عثمان رضی اللہ
عنہ کو قتل کیا تو صحابہ جمع ہو کر میرے پاس آئے اور بیعت لینے کی درخواست

کی ہر چند میں نے انکار کیا مگر کسی نے نہ مانا اور یہی کہتے رہے کہ ہم سوائے آپ کے کسی سے راضی نہیں اگر آپ بیعت نہ لیں گے تو لوگوں کے متفرق ہو جانے کا خوف ہے غرض کہ جب لوگوں نے اتنا اصرار کیا تو اوس وقت میں نے بیعت لی انتہیٰ۔

ناسخ التواریخ کی جلد سوم صفحۂ (۱۷) میں لکھا ہے کہ جب علی کرم اللہ وجہہ کے پاس لوگ بیعت کے لئے حاضر ہوئے فرمایا دعونی والتمسوا غیری فانا مستقبلون امرا لہ وجوہ والوان لا تقوم لہ القلوب ولا تثبت لہ العقول وان الآفاق قد اغامت والمحجۃ قد تنکرت واعلموا انی ان اجبتکم رکبت بکم ما اعلم ولم اصغ الی قول القائل وعتب العاتب وان ترکتمونی فانا کاحدکم ولعلی اسمعکم واطوعکم لمن ولیتموہ امرکم وانا لکم وزیرا خیر لکم منی امیرا اور یہی روایت نہج البلاغۃ کے جلد اوّل میں بھی ہے۔ ترجمہ اس کا یہ ہے۔ علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ مجھے چھوڑ دو اور خلافت کے لئے کسی دوسرے شخص کو تلاش کرو کیونکہ یہ کام ایسی مختلف اور رنگارنگ صورتوں میں پیش نظر

ہو رہا ہے کہ جن کو دل برداشت نہیں کرسکتے اور عقلیں ثابت نہیں رہ سکتیں آفاق میں اندھیرا اور راستہ ناآشنا ہوگیا ہے۔ پھر یہ سمجھ رکھو کہ اگر میں تمہاری بات کو قبول کرلوں تو تم کو اوس کام پر مسلط اور مامور کرونگا جس کو میں جانتا ہوں پھر اوس وقت نہ کسی کی کوئی بات سنونگا اور نہ کسی کے عتاب کی پروا کرونگا اور اگر تم مجھے چھوڑ دوگے تو میں بھی تم جیسا ایک مسلمان ہوں جس کو تم خلیفہ مقرر کروگے امید ہے کہ تم سے زیادہ میں اوس کی بات سنونگا اور اطاعت کرونگا میرا وزیر ہونا تمہارے حق میں اس سے بہتر ہوگا کہ میں امیر رہوں انتہے۔

اس روایت سے بھی ظاہر ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ نے خلافت کے قبول کرنے سے انکار کیا اور صاف فرمادیا کہ کسی اور کو خلیفہ بناؤ تو بہتر ہوگا اور میں بھی اوس کی اطاعت کرونگا۔ اس سے منکشف ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ خلیفۂ وقت کی اطاعت کو نہایت ضروری سمجھتے تھے اور نیک نیتی سے صاف فرمایا کہ تم جسکو خلیفہ بناؤگے اوس کی اطاعت تم سے زیادہ کرونگا۔ اب اس کے بعد یہ خیال کرنا کہ خلفائے ثلاثہ کی اطاعت آپ نے نہیں کی اور کی بھی تو جبری طور پر ہرگز قرین قیاس نہیں۔ پھر یہاں یہ بھی خیال نہیں ہوسکتا کہ آپ نے تقیہ سے یہ فرمایا ہوگا اس لئے کہ یہ موقعہ وہ تھا کہ جتنے ارباب حل وعقد وہاں موجود تھے

وہ سب بالاتفاق آپ کے دست نگر تھے اور منتیں کر رہے تھے کہ آپ ہی بیعت لیں۔ یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ آپ نے جو فرمایا کہ اگر تم مجھے خدمت خلافت سے معاف رکھو گے تو میں بھی تمہارے جیسا ایک شخص ہونگا اور امام کی اطاعت سب سے زیادہ کرونگا۔ اگر اسی بنا پر لوگ کسی اور کو خلیفہ بنا لیتے تو آپ کے نہ وصی ہونے میں کلام ہوسکتا ہے نہ باب مدینۃ العلم ہونے میں فرق آتا ہے نہ دوسرے فضائل و صفات جو احادیث میں وارد ہیں بے موقع سمجھے جاتے اور حسب اقرار وارشاد آپ مثل اوروں کے خلیفۂ وقت کے مطیع ہوتے گو خدمت وزارت آپ ہی کو مسلم ہوتی۔ اس سے ثابت ہے کہ وصی وغیرہ ہونے کو خلیفہ ہونا لازم نہیں اسی وجہ سے آپ نے خلفائے ثلاثہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔

معنی حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ

آپ نے اپنی وزارت کو امارت پر جو ترجیح دی اوس میں اوس حدیث شریف کے طرف اشارہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ یعنے جس کا میں مولیٰ ہوں علیؓ بھی اوس کے مولیٰ ہیں۔ اس لئے کہ مولیٰ ولی سے

مولا کے معنے

ماخوذ ہے اور ولی کے معنے دوست اور ناصر کے ہیں جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یعنے اللہ اون لوگوں کا

ناصر و مددگار ہے جو ایمان لائے اور اولیاء اللہ بھی چونکہ حق تعالےٰ کی مدد کرتے ہیں اس لئے اون کا بھی لقب ولی ٹھیرایا گیا کما قال تعالےٰ

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ

یعنے آگاہ رہو کہ اولیاء اللہ کو کچھ خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے اگر کہا جائے کہ خدائے تعالےٰ کی مدد کرنا ممکن نہیں تو اوس کا جواب یہ ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ یعنے اگر تم خدا کی مدد کروگے تو خدا بھی تمہاری مدد کریگا اس سے ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو خدا کی مدد کرنے کی ضرورت ہے البتہ مدد مدد میں فرق ہے بندہ کی مدد اسی قدر ہے کہ اپنی حیثیت کے مطابق کار خیر میں اپنی قوت صرف کرے پھر جب اوس نے پورے طور پر اپنی قوت کو مرضیات الٰہی میں صرف کیا تو اللہ تعالےٰ اوس کی پوری مدد کرتا ہے اور ولی اللہ کا لقب اوس پر صادق آجائیگا۔

مولیٰ لغت عرب میں کئی معنے میں مستعمل ہے چنانچہ لسان العرب میں لکھا ہے کہ اوس کے معنے رب۔ سید۔ منعم۔ معتق۔ ناصر۔ محب۔ تابع۔ جار۔ ابن عم۔ صہر۔ عبد معتق۔ اور منعم علیہ کے ہیں۔ ادنےٰ تامل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ان سب معنی میں نصرت ملحوظ ہے اسی وجہ سے آزاد کرنے والے کو بھی مولیٰ کہتے ہیں اور آزاد کئے ہوئے غلام کو بھی

کیونکہ دونوں ایک دوسرے کے مدد و معاون ہوتے ہیں اور یہی وجہ اون سے کے محبت کی بھی ہے اور حلیف کا بھی یہی حال ہے کہ ایک دوسرے کی نصرت کا اقرار اور معاہدہ کر لیتے ہیں اس لئے ہر ایک دوسرے کا مولیٰ کہا جاتا ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ مولیٰ کے لئے افضل ہونا شرط نہیں جیسا کہ اس آیۂ شریفہ سے بھی معلوم ہوتا ہے قولہ تعالےٰ وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآئِیْ یعنے ذکریا علیہ السلام نے کہا کہ مجھے خوف ہے میرے موالی یعنے بنی اعمام سے اور حق تعالےٰ فرماتا ہے فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ مَوْلٰہُ وَجِبْرِیْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ یعنے خدائے تعالےٰ اور جبرئیل اور نیک بخت اہل ایمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناصر و مددگار ہیں۔ دیکھئے اس آیۂ شریفہ میں عموماً اہل اسلام بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مولیٰ قرار دیئے گئے اور قرآن شریف میں ہے اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ یعنے تو ہمارا مولیٰ یعنے ناصر اور مددگار ہے ہم کو کافروں پر مدد دے۔ غرضکہ جتنے معنے میں مولیٰ مستعمل ہے سب میں نصرت اور دوستی ملحوظ ہے جس سے ظاہر ہے کہ مولیٰ کے اصلی معنے ناصر و مددگار کے ہیں اسی وجہ سے حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ میرا وزیر رہنا امیر رہنے سے اولیٰ ہے۔ کیونکہ وزیر خلیفۂ وقت

کا ناصر و مددگار ہوتا ہے جس پر مولیٰ کے معنے پورے پورے صادق آتے ہیں اور اوس سے تمام مسلمانوں کی مدد کا بھی پورا موقعہ ملجاتا ہے اس صورت میں من کنت مولاہ فعلی مولاہ کا مطلب یہ ہوا کہ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مسلمانوں کے ممد و معاون ہیں اسی طرح علی کرم اللہ وجہہ بھی ہیں۔ چنانچہ اسی کے مؤید یہ ہے کہ کسی نے علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ آپ کی خلافت میں بدنظمی ہے اور شیخین کی خلافت میں نہایت انتظام تھا آپ نے فرمایا کہ ان کے وزیر ہم تھے۔ اور ہمارے وزیر تم ہو اور قاعدہ کی بات ہے کہ وزیر کی لیاقت کے مطابق انتظام ہوا کرتا ہے۔

جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا وزیر ہونا بہ نسبت امیر اور خلیفہ ہونے کے مسلمانوں کے حق میں زیادہ تر مفید تھا جس کی خبر خود حضرت نے دی جو نہج البلاغۃ وغیرہ کتب معتبرہ شیعہ سے ثابت ہے۔ اور تعجب نہیں کہ مسلمانوں نے جو آپ کے اس ارشاد کی مخالفت کر کے آپ کو خلیفہ مقرر کیا اوسی مخالفت کی نکبت سے پوری مدت خلافت میں کل مسلمان پریشانیوں میں رہے اس صورت میں یہ کیونکر ہو سکے کہ من کنت مولاہ کی حدیث سے آپ کی خلافت مقصود ہے اگر ایسا ہوتا تو حضرت امیر المومنین اس سے

واقف ہوتے اور اوس کے خلاف کبھی نہ فرماتے۔

یہ بات قرین قیاس معلوم نہیں ہوتی کہ جب کل صحابہ مہاجرین و انصار وغیرہ نے بالاتفاق اور بہ طیب خاطر آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہی اوس وقت تو آپ نے انکار کیا اور خواہش اوس وقت کی کہ کل صحابہ ابوبکرؓ کی خلافت پر راضی ہو گئے تھے۔ ہاں یہ ثابت ہے کہ آپنے بیعت میں کسی قدر تاخیر کی اور بعضے روایات سے آپکا ملال بھی معلوم ہوتا ہے مگر اسکی وجہ دوسری تھی غرضکہ خلافت کا آپ کو نہ شوق تھا نہ سوائے خوشنودی خدا اور رسول کے اوس سے آپ نے کوئی نفع حاصل کیا۔

ازالۃ الخفا میں مستدرک حاکم سے نقل کیا ہے کہ ایک روز حضرت علی کرم اللہ وجہہ کسی واقعہ سے نہایت غمگین ہوئے اور امام حسن علیہ السلام سے بکمال حسرت فرمایا کہ کاش میں بیس سال پہلے مرگیا ہوتا انتہیٰ۔ اب کہئیے کہ یہ خلافت آفت تھی یا راحت لوگوں کو اس مسئلہ میں اشتباہ اس وجہ سے ہوا کہ اونہوں نے خلافت نبوت کو سلطنت دنیوی پر قیاس کر لیا جس سے تعلّی اور آسائش مقصود ہوتی ہے حالانکہ دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ظاہر بینوں کی نظر میں غالباً یہ بات ہوگی کہ علی کرم اللہ وجہہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد

جو تعلق کیا وہ صرف نمائشی تھا در اصل وہ آپ کی قدیم آرزو تھی جس کو رکاوٹوں
نے پوری ہونے نہیں دیا تھا پھر جب ایک مدت کے بعد وہ خواہش
پوری ہوئی تو اوس وقت بھی لوگ دیکھ نہ سکے اور عمر بھر آپ کو راحت نہ
لینے دی۔ چنانچہ ساتھ ہی لڑائیاں شروع ہوگئیں مگر قرائن اوس کے
خلاف گواہی دیرہے ہیں جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا
تعلق ظاہری نہ تھا بلکہ خود طبیعت فقر دوست اور سکنت پسند واقع
ہوئی تھی آپ کو دنیا سے کوئی تعلق نہ تھا۔

ناسخ التواریخ[1] ص ۱۶۳ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا خط موسومہ
معاویہؓ نقل کیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جب لوگ ابوبکرؓ کے ہاتھ پر
بیعت کرنے لگے تو تمہارے باپ ابوسفیان میرے پاس آئے اور
کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ سے زیادہ خلافت کا کوئی مستحق
نہیں ہے میں ذمہ دار ہوتا ہوں کہ جو کوئی آپ کی مخالفت کرے گا
میں اوس کی سرکوبی کرونگا آپ ہاتھ بڑھائیے میں آپ کے ہاتھ پر بیعت
کرتا ہوں مگر میں نے اوس کو قبول نہیں کیا انتہٰی ملخصاً۔ اگر ان کو خلافت
منظور ہوتی تو ابوسفیان جیسے شخص کا ذمہ دارِ مدد ہونا کوئی معمولی بات
نہ تھی۔

یہاں شاید کسی کو یہ خیال ہو کہ ابوسفیان کو علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ

خاندانی عداوت تھی اس لئے اون کا بیعت پر اقدام کرنا خالی از مصلحت وکر نہیں۔ مگر یہ صرف بدگمانی ہے ابوسفیان کو ضرور علی کرم اللہ وجہہ کی تائید کا خیال پیدا ہو گیا تھا اوس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک بوڑھے پرانے خیال کے آدمی تھے جن کی عمر کا اکثر حصہ جاہلیت میں بسر ہوا تھا عصوبت جاہلیت اون کی طبیعت میں متمکن تھی۔ چونکہ عرب کی خمیر اور جبلت میں عصوبت داخل ہے کہ جو قبیلہ نسب میں اپنے قریب ہو اوس کے مقابلہ میں اگر کوئی کھڑا ہو جائے تو قریب کے نسب والے قبیلوں کو اوس کی مدد کرنا ضروری ہے گو باہمی جھگڑے اور مخالفتیں ہوں چنانچہ اس کا ثبوت اس واقعہ سے بھی ہوتا ہے جو تاریخ کامل کی جلد سوم صفحہ (۶۴) میں لکھا ہے کہ جب بلوائیوں نے عثمانؓ پر سختی شروع کی آپ علی کرم اللہ وجہہ کے یہاں چھپکر گئے اور فرمایا یوں تو میرے حقوق آپ پر بہت سارے ہیں مگر سب سے قطع نظر کرکے فرض کیا جائے کہ کوئی حق ثابت نہیں اور ہم جاہلیت ہی میں ہیں تو بھی عبد مناف کی اولاد پر بڑے عار کی بات ہے کہ ایک بنی تیم کا شخص یعنے طلحہ اون سے حکومت چھین لی انتہےٰ ملخصاً۔

اسی بنا پر ابوسفیان کو سخت ناگوار تھا کہ ابوبکرؓ (جن کی قرابت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت دور کی ہے جو کعب بن لوی میں

یعنے آٹھویں پشت میں ملے ہیں) علیؓ سے حکومت چھین لیں چونکہ بنی امیہ جن میں ابوسفیان بھی ہیں اون کو بنی ہاشم سے بہت قریب کا تعلق ہے اس لئے اُن پر بحسب اصول حمیت علی کرم اللہ وجہہ کی مدد کرنا ضروری تھا۔ استیعاب میں لکھا ہے کہ جب ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی گئی تو ابوسفیان علی کرم اللہ وجہہ کے پاس آئے اور کہا یہ کیسی بات ہے قریش کا ایک چھوٹا گھر تم سے حکومت چھین لے خدا کی قسم اگر تم چاہتے ہو تو تمہاری مدد کے لئے اتنے سوار اور پیادے جمع کر دوں کہ مدینہ میں جگہ نہ ملے انتہی ملخصًا۔

نہج البلاغہ میں بھی یہی مضمون مفصل موجود ہے۔ انکو کثیر التعداد فوج فراہم کرنے کا اطمینان اس وجہ سے تھا کہ اکثر قبائل قریش عصوبت قومی سے ضرور آمادہ جنگ ہو جاتے۔ اور علی کرم اللہ وجہہ بھی سمجھ گئے تھے کہ ابوسفیان کی یہ باتیں صرف زبانی نہیں بلکہ صاحب عزم وارادہ ہیں جو کہتے ہیں وہ کر بتائیں گے چنانچہ اسی خط میں جو معاویہؓ کے نام سے لکھا ہے یہ عبارت موجود ہے وانت تعلم ان اباك قد قال ذلك ارادة حتی کنت انا الذی ابیت تقرب عهد الناس بالکفر مخافة الفرقة بین اهل الاسلام یعنے تم جانتے ہو کہ تمہارے والد نے محبت

جتانے کی غرض سے نہیں کہا تھا بلکہ اوس کا جزم وارادہ کر لیا تھا مگر میں نے انکار کیا اس خیال سے کہ اہل اسلام میں تفرقہ پڑ جائیگا۔

دیکھئے ابوسفیان جیسے مدبر شخص جن کی وجاہت تمام قبائل عرب میں مسلم تھی اور اونہیں کے تدابیر سے تمام عرب کے قبائل مدتوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرتے رہے۔ علی کرم اللہ وجہہ کو کمک دینے پر آمادہ ہو گئے تھے گو اسلام میں اون کی وجاہت ابوبکرؓ کے مقابلہ میں کچھ نہ تھی مگر علی کرم اللہ وجہہ کی قومی وجاہت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب قرابت اور ذاتی شجاعت اون کے تدابیر کے ساتھ ہوتی تو مسلمانوں میں ایک تہلکہ تو ضرور پڑجاتا۔ مگر سبحان اللہ حضرت علیؓ ہی کا حوصلہ تھا کہ اوس طرف توجہ تک نہ کی اور خلافت سے صاف انکار کر دیا۔

اب اس کے بعد وہ اظہار مظلومیت اور بیکسی کی روایتیں کہ خلافت لینے کی غرض سے آپ حضرت بی بی فاطمہ علیہا السلام کو ہر رات ہمراہ لے کر ایک ایک کے گھر جاتے اور مدد کی درخواست کرتے اور اس قسم کی روایتیں جو آئندہ کسی موقع میں انشاء اللہ تعالے لکھی جائینگی کیسا صحیح ہو سکتی ہیں۔

آپ کے دل کی بات یہ تھی کہ کسی طرح خلافت سے سبکدوش

رہیں اس وجہ سے بہت سی تدبیریں کیں کہ کسی طرح اوس سے پیچھا چھوٹے
مگر چونکہ تقدیر الٰہی میں ٹھیر چکا تھا کہ آپ خاتم الخلفا ہوں اس لئے مجبوراً
قبول کرنا پڑا۔ دیکھئے پہلے صاف انکار کر دیا جیسا کہ ابھی معلوم ہوا اور
لوگوں کو سمجھا دیا کہ مجھے خلیفہ بنانے میں مصلحت نہیں البتہ وزیر بناؤ تو
تمہارے حق میں اچھا ہے پھر تنگ ہو کر فرمایا میرا پیچھا چھوڑو اس
کام کے لئے کسی اور کو تلاش کر لو جیسا کہ نہج البلاغہ صفحہ (۸۷ و ۸۸) میں
مذکور ہے۔ پھر جب دیکھا کہ وہ مانتے ہی نہیں تو مجبور ہو کر فرمایا کہ اگر
اسی کو ضرور سمجھتے ہو تو اس کام کے لئے مسجد میں ایک عام جلسہ کرو
تاکہ تمام مسلمان حاضر ہوں مقصود یہ کہ سب کی رائے کبھی متفق نہ ہوگی
اس لئے حیلہ کو موقع ملجائیگا جیسا کہ ناسخ التواریخ صفحہ (۱۸) میں
لکھا ہے ومی گفتند ما سخن بمفارقیك حتی نبا یعك قال
ان کان ولابد من ذلك ففی المسجد یعنے سب نے
کہا کہ ہم آپ کو کبھی نہ چھوڑیں گے۔ جب تک کہ آپ کے ہاتھ پر
بیعت نہ کر لیں گے اور فرمایا کہ اسی کو ضروری سمجھتے ہو تو یہ تقریب
مسجد میں ہو۔ مگر اوس کے ساتھ یہ بھی فرما دیا کہ معلوم رہے کہ اوس
مجمع میں اگر ایک شخص بھی خلاف کرے تو میں پھر کسی سے بیعت
نہ لونگا جیسا کہ ناسخ التواریخ صفحہ (۲۰) میں ہے وہمچناں امیر المؤمنین

در بد و کار فرمود کہ اگر ہمہ یک تن از بیعت من سر تابد سر وریں کار در نخواہم آورد انتہیٰ۔ اور اسی صفحہ (۲۰) میں لکھا ہے کہ ابن عباس گوید در روز بیعت علی سخت بیمناک بودم چہ بسیار کس دراں انجمن حاضر بودند کہ پدر و برادر ایشاں را علی با تیغ در گذرانیدہ ہیں گفتم مبادا یک تن ازیں خواندان سر بر آورد و سخنے ناہموار گوید و امیر المومنین علی برنجد و نپذیرائی بیعت نشود ناگاہ ہے کہ ہیچکس بجائے نماند الا آنکہ بہ تمام رضا و رغبت بیعت کرد انتہیٰ۔

دیکھئے وہ زمانہ کیسا تھا مصر کوفہ اور بصرہ وغیرہ بلاد کے مختلف خیالات کے لوگ جمع تھے اور اہل بصرہ چاہتے تھے کہ طلحہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنائیں اور اہل کوفہ کی رغبت زبیر رضی اللہ عنہ کی طرف تھی اور طرز کارروائی سے بھی معلوم ہوتا تھا کہ ان حضرات کو بھی کسی قدر خیال تھا اور اہلِ بصرہ کی آمد و شد جو ابتدا سے آپ کے یہاں تھی بعضے کوتاہ اندیشوں کو اس طرف توجہ دلاتی تھی کہ محرک اور باعث قتل معاذ اللہ آپ ہی ہیں جس سے عام جوش پھیلا ہوا تھا۔ ایسے موقعہ میں ظن غالب بلکہ یقین یہی تھا کہ ہزارہا مسلمان آپ کی مخالفت پر آمادہ ہو جائیں گے۔ غرضکہ آپ نے یہ ضرور خیال فرمایا تھا کہ اتنے مخالفین میں سے کوئی ایک ضرور ہی مخالفت کریگا اس لئے شرط لگا دی

کہ اس مجمع عام میں سے کسی ایک نے بھی مخالفت کی تو پھر قبول خلافت
پر میں ہرگز مجبور نہ ہوسکونگا - اب غور کیجئے کہ جب اتنی طرح سے ٹالنے
کے بعد بھی خلافت گلے پڑی ہوگی تو کس قدر آپ تنگدل ہوئے ہونگے
کیا ایسے صریح صریح قرائن کے بعد بھی خیال ہوسکتا کہ آپ طالب
خلافت تھے - اصل وجہ اس کی یہ تھی جو خود آپ نے ایک خطبہ میں
علی رؤس الاشہاد بیان فرمایا جو ناسخ التواریخ صفحہ (۲۱)
کی جلد ہفتم میں نقل کیا ہے الا ان اللہ عالم من فوق سمائہ
وعرشہ انی کنت کارھا للولایۃ علی امۃ محمد
صلی اللہ علیہ وسلم حتی اجتمع رائکم علی ذلک
لانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
یقول ایما وال ولی الامر من بعدی اقیم علی
حد الصراط ونشرت الملئکۃ صحیفتہ فان
کان عادلا انجاہ اللہ بعدلہ وان کان جائرا
انتقض بہ الصراط یتزائل مفاصلہ ثم یھوی
الی النار فیکون اوّل ما یلقی بہ النار انفہ
وحر وجھہ ولکنی لما اجتمع رائکم لم یسعنی
ترککم یعنے خدائے تعالےٰ خوب جانتا ہے کہ میں اس بات کو

کروہ سمجھتا تھا کہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر حکومت کروں اس لئے
کہ خود میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ فرماتے تھے
جو شخص میرے بعد حاکم ہوگا قیامت کے روز پل صراط پر کھڑا کیا
جائیگا اور فرشتے اوس کا نامۂ اعمال کھولیں گے اور حساب شروع
ہوگا۔ پھر اگر اوس کا عادل ہونا ثابت ہوگیا تو خدا تعالے اوس کو
نجات دیگا اور اگر ظالم ثابت ہو تو دوزخ میں کریگا۔ جس سے جوڑ بند
اوس کے جدا جدا ہو جائینگے۔ اور آگ پہلے اوس کی ناک اور منھ کو
جلائیگی غرضکہ اس حدیث کے لحاظ سے میں خلافت کو نہایت مکروہ
سمجھتا تھا مگر جب تم سب نے اتفاق کرکے مجھی کو خلیفہ بنانا چاہا تو
میں مجبور ہوگیا اور تم سے علیحدہ ہونا مجھ سے نہ ہوسکا۔ انتہٰے۔

نہج البلاغۃ صفحہ (۳۲۰) آپ کا قول نقل کیا ہے واللہ

ما کانت لی فی الخلافۃ رغبۃ ولا فی الولایۃ
اربۃ ولکنکم دعوتمونی الیہا وحملتونی علیہا

یعنے خدا کی قسم مجھے خلافت کی بالکل رغبت نہ تھی۔ اور نہ حکومت
سے کوئی غرض تھی لیکن تم لوگوں نے مجھے اوس کی طرف بلایا اور
زبردستی مقرر کیا انتہٰے۔

یہ بے رغبتی اسی وجہ سے تھی کہ خلافت کی ذمہ داریاں نہایت

بے رغبتی در خلافت

سخت ہیں جن کا حال روایت سابقہ میں آپ نے بیان فرمادیا۔ غرضکہ
خلافت کرنا آپ کو منظور نہ تھا اور یہ بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ سب مسلمان
جس بات پر اتفاق کریں اوس کی مخالفت کریں اس لئے یہ خیال کیا کہ
کل مسلمان اپنی خلافت پر ہرگز اتفاق نہ کریں گے جیسا کہ ابھی معلوم
ہوا کہ خود آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشینگوئی کی خبر دی
ہے کہ لوگ آپ کو خلیفہ نہ بنائیں گے۔ اس پیشینگوئی کے بھروسہ آپنے
یہ شرط لگادی کہ جب تک سب اتفاق نہ کریں گے میں بیعت خلافت
نہ لونگا مقصود یہ کہ نہ سب اتفاق کریں گے نہ بیعت لینے کی نوبت
آئیگی۔ مگر مشیت ایزدی میں تو ٹھیرا ہوا تھا کہ آپ خاتم الخلفا ہوں اسی وجہ
سے اوس وقت کسی نے خلاف ہی نہ کیا اوس کے بعد پیشینگوئی
کا ظہور ہوا چنانچہ تخمیناً آدھی امت آپ کی امارت پر راضی نہوئی اور
آخر تک خلافت ہی کا جھگڑا رہا جس سے مقصود خلافت جو اشاعت
اسلام تھا حاصل نہوسکا اس موقع میں آپ نے ترک کرنا بھی مناسب نہیں
سمجھا اس لئے کہ وہ عبادت تھی اور عبادت شروع کرنے پر لازم ہوجاتی ہے
غرضکہ آپ نے جبراً خلافت کو قبول کیا جس سے مقصود مسلمانوں کی
خوشنودی تھی جس میں خدا اور رسول کی خوشنودی منظور ہے کما قیل ؎

طریقت بجز خدمت خلق نیست	بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

اب کہئے کہ خلافت کی رغبت اور شکایت خلفائے ثلثہ کی روایتیں
جو آپ کی طرف منسوب کیجاتی ہیں کیا ان روایتوں کے مقابلہ میں وہ
صحیح ہوسکتی ہیں؟ ہرگز نہیں۔ ورنہ لازم آئیگا کہ آپ نے نعوذ باللہ
جھوٹی قسمیں کھا کھا کر ضرورت کے وقت اپنی بے رغبتی بیان فرمائی
آپ جانتے تھے کہ خلافت میں علاوہ جواب دہی اخروی کے
دنیا میں بڑے بڑے مصائب پیش آنے والے ہیں اس کی تصدیق
ہم احادیث سے کئے دیتے ہیں جن سے ظاہر ہے کہ کل پیش آنیوالے
واقعات کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو دی تھی
ان احادیث کو دیکھنے کے بعد کوئی منصف مزاج انکار نہیں کرسکتا
کہ باوجود ان پیش آنے والے مصائب پر مطلع ہونے کے آپ نے
خلافت کو جو قبول کیا وہ بعینہ ایسا تھا جیسے فقر وفاقہ کو اختیار کیا یعنی
بجز رضا جوئی خدا ورسول کے اوس سے اور کوئی مقصود نہ تھا۔ اور یہ جو
خیال کیا جاتا ہے کہ اوروں نے ظلم کرکے آپ کی خلافت چھینی ان
احادیث وغیرہ امور مذکورہ سے ثابت ہے کہ آپ کے نزدیک
وہ ظلم نہ تھا بلکہ زبردستی خلافت جو گلے ڈالی گئی وہ ظلم تھا۔

نسائی رح نے خصائص علی کرم اللہ وجہہ میں بسند متصل روایت
کی ہے کہ کلیب جرمی کہتے ہیں کہ میں علی رض کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک مسافر

آیا اور کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں کچھ کہنا چاہتا ہوں چونکہ آپ لوگوں سے
باتیں کررہے تھے اس لئے اوس کی طرف توجہ نہ کی وہ کسی کے پاس
بیٹھ گیا اور یہ واقعہ بیان کیا کہ میں عمرہ کے لئے گیا تھا۔ جب عائشہ
رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا تو اونہوں نے مجھ سے پوچھا
کیا تمہاری طرف کوئی قوم ہے جس کا نام حروریہ ہے اور اون کو حروریہ
کیوں کہتے ہیں میں نے عرض کی ایک مقام ہے جس کا نام حرورہ
ہے۔ وہاں کے لوگوں کو حروریہ کہتے ہیں فرمایا اوس شخص کو خوشخبری
ہے جو کہ اون کو ہلاک کرے اگر ابن ابی طالب چاہیں تو اون کی
خبر دیسکتے ہیں اس لئے میں اون کا حال دریافت کرنے کو آیا ہوں
جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ فارغ ہوئے تو پوچھا اجازت چاہنے والا
کہاں ہے وہ شخص پیش ہوا اور یہ واقعہ بیان کیا آپ نے فرمایا کہ ایک
روز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر تھا
اوس وقت سوائے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے کوئی نہ تھا
حضرت نے مجھ سے فرمایا اے علی! تمہارا کیا حال ہوگا جب فلاں
قوم کے ساتھ مقابلہ ہوگا۔ میں نے عرض کی خدا و رسول دانا تر ہیں
پھر مشرق کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ ایک قوم ادھر نکلے گی وہ لوگ
قرآن پڑہیں گے مگر اون کے حلق کے نیچے نہ اوتریگا دین سے ایسے دور

نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے اون میں ایک شخص ہوگا جسکا ہاتھ ناقص ہے اور اوس پر مثل سر پستاں پارہ گوشت ہوگا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا میں تمہیں قسم دیکر پوچھتا ہوں کیا میں نے تمہیں اون کی خبر نہیں دی تھی لوگوں نے کہا بیشک آپ نے خبر دی تھی فرمایا پھر تم نے مجھے خبر دی کہ وہ اونمیں نہیں ہے اور میں قسم کھا کر کہتا تھا۔ کہ وہ اون لوگوں میں ضرور ہے اوس کے بعد تم لوگ اُسے کھینچتے ہوے مجھ تک لے آئے اور وہ ویسا ہی تھا جس طرح میں نے کہا تھا لوگوں نے کہا درست ہے فرمایا خدا اور اوس کے رسول نے سچ کہا انتہےٰ۔

اس مضمون کی اور روایتیں بھی امام نسائی نے مختلف اسنادوں سے لکھی ہیں اور دوسری کتابوں میں بھی مذکور ہے جن کا ماحصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور فلاں مقام میں یہ واقعہ پیش آئیگا اور اوس کا انجام یہ ہوگا۔

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے جنگ کی خبر بھی دی تھی چنانچہ کنز العمال کی کتاب الفتن میں متعدد روایتیں ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ تم میں اور عائشہ رضی اللہ عنہا میں ایک واقعہ پیش آئیگا۔ علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا

کہ کیا وہ واقعہ میری شقاوت کا باعث ہوگا فرمایا نہیں لیکن اس وقت
اون کو اون کے امن کی جگہ واپس کر دو۔ ایک روز آپ نے ازواج مطہرات
سے فرمایا تم میں وہ کون عورت ہے جو اونٹ پر سوار ہوگی اور اوس کو
دیکھ کر حواب کے کتے بھونکیں گے اور اوس کے اطرف بہت سے
لوگ مارے جائیں گے جب عائشہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ حواب پر
پہونچا اور وہاں کے کتے بھونکنے لگے تو آپ نے پوچھا کہ اس مقام کا
کیا نام ہے لوگوں نے کہا حواب فرمایا میں یہاں سے لوٹ جاتی ہوں
اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کیا حال ہوگا
اوس عورت کا جس کو دیکھ کر حواب کے کتے بھونکیں گے لوگوں نے
کہا آپ تو اصلاح کے لئے تشریف لائی ہیں استیعاب۔

چونکہ مشیت ایزدی میں اس جنگ کا واقع ہونا مقرر تھا اس لئے آپ
واپس نہ ہو سکیں اور سخت لڑائی ہوئی جس میں بہت سے لوگ مارے گئے
اور حضرت کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔

ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے ذکر فرمایا کہ بعض امہات المومنین خروج کرینگی۔ عائشہ
رضی اللہ عنہا نے یہ سنکر ہنس دیں حضرت نے فرمایا دیکھو اے حمیرا
کہیں وہ تم ہی نہ ہوں پھر علی رضی اللہ عنہ کی طرف مڑکر فرمایا کہ اگر

تم سے اون کا کام متعلق ہو جائے تو اون کے ساتھ نرمی کرنا حاکم نے
اس روایت کو ذکر کرکے کہا ہے کہ صحیح علی شرط الشیخین۔

اس لڑائی میں زبیر رضی اللہ عنہ بھی عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ
تھے اس کی بھی خبر حضرت نے پہلے ہی دی تھی۔ چنانچہ کنز العمال کی
کتاب الفتن میں ہے کہ جب علی کرم اللہ وجہہ اور عائشہ رضی اللہ
عنہا کے لشکر کی صف آرائیاں ہوئیں اور دونوں لشکر قریب ہو گئے۔
علیؓ نے آگے بڑھکر باواز بلند زبیر ابن العوام کو پکارا جب وہ روبرو
آئے تو فرمایا میں تمہیں قسم دیتا ہوں کیا تم اوس روز کا واقعہ بھول گئے
کہ فلاں مقام میں تم ہم دوستانہ گفتگو کر رہے تھے اتنے میں آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور تم سے پوچھا کیا تم علی کو دوست
رکھتے ہو تم نے کہا وہ تو میری خالہ اور پھوپی کے بیٹے اور میرے دین
پر ہیں کیونکر ہو سکے کہ اُن سے محبت نہ رکھوں پھر مجھ سے فرمایا کیا تم
اون کو دوست رکھتے ہو میں نے عرض کی کہ وہ میرے پھوپی کے
بیٹے اور میرے دین پر ہیں کیا میں اون کو دوست نہ رکھونگا یہ سنکر
فرمایا اے زبیر! واللہ تم اون سے جنگ کروگے اور تم ظالم ہوگے
یہ سنکر زبیر رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر کہا بیشک یہ واقعہ صحیح ہے میں
بھول گیا تھا اب ہرگز آپ سے نہ لڑونگا چنانچہ وہ اوسی وقت جنگ

علیحدہ ہوگئے۔ انتہیٰ۔

غرضکہ مشیت الٰہی میں اون کا اس جنگ میں شریک ہونا مقدر تھا
اس لئے باوجود حضرت کی خبر دینے کے بھول گئے اور حضرت عائشہؓ
کا اس جنگ کے لئے نکلنا بھی اسی قسم کا تھا چنانچہ کنز العمال کتاب الفتن
میں ہے کہ عروہ رحمہ نے عائشہؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سب سے زیادہ کس کو دوست رکھتے تھے فرمایا علی ابن ابی طالب کو
کہا پھر آپ نے اون سے جنگ کیوں کی کہا تمہارے باپ نے تمہاری
ماں کو کیوں نکاح کیا تھا؟ کہا تقدیر الٰہی تھی فرمایا بس یہ بھی
تقدیر الٰہی تھی۔

اسی طرح معاویہ رضی اللہ عنہ کا باغی ہونا بھی علی کرم اللہ وجہہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم سے سُن چکے تھے بلکہ اکثر صحابہ جانتے تھے کہ عمار بن
یاسر رضی اللہ عنہ سے حضرت نے فرمایا تھا کہ باغی جماعت تمہیں
قتل کریگی چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وہ علی کرم اللہ وجہہ کے لشکر میں
تھے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکریوں کے ہاتھ سے شہید ہوئے
الغرض جتنے واقعات ہونے والے تھے حضرت نے عام طور پر صحابہ
کے روبرو بیان فرمادیئے تھے۔ چنانچہ کنز العمال کی کتاب الفتن میں
حذیفہ رضی اللہ عنہ سے اس باب میں بکثرت روایتیں مذکور ہیں۔

یہانتک کہ وہ فرماتے ہیں کہ جتنے فتنے قیامت تک ہونے والے ہیں
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرما دیئے تھے۔ اگر میں چاہوں تو
جتنے فتنہ پرداز قیامت تک ہونگے جن کی ماتحتی میں تین سو یا اس سے
زیادہ شخصوں کی تعداد ہو اون کے نام مع ولدیت اور مقام تک
بیان کرسکتا ہوں۔ اور فرمایا سب سے پہلا فتنہ عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل
ہے اور آخری فتنہ خروج دجال۔ جب حذیفہ رضہ اس تفصیل سے
آئندہ آنے والے واقعات جانتے تھے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ
تو بطریق اوسلے جانتے ہونگے۔ کیونکہ کنز العمال کی متعدد روایتوں
سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی نسبت اعلمھم
علماً فرمایا ہے یہی وجہ ہے کہ آپ برسر منبر فرمایا کرتے کہ جو چاہو
مجھ سے پوچھ لو میں جواب دیسکتا ہوں اور حدیث انا مدینۃ العلم
وعلی بابھا جو مشہور ہے اسی پر ناطق ہے کیوں نہو جو خصوصیت
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کو تھی وہ کسی کو نہ تھی چنانچہ
امام نسائی نے کتاب خصائص علیؓ میں روایت کی ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ
فرماتے ہیں کہ ہر رات سحر کے وقت میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی خدمت میں حاضر ہوتا اگر حضرت نماز میں ہوتے تو سبحان اللہ
فرما دیتے جس سے میں اذن سمجھ لیتا ورنہ طلب فرما لیتے۔ چونکہ حضرت

علی کرم اللہ وجہہ امام الاولیاء ہیں جیسا کہ ابونعیم رحہ نے حلیۃ الاولیاء
میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
کہ حق تعالے نے علی کو امام الاولیا مقرر فرمایا ہے انتہٰی۔ اسی وجہ سے
تقریبًا کل سلاسل اولیاء اللہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے واسطہ سے
حضرت تک پہونچتے ہیں اس لئے ضرور تھا کہ تعلیم روحانی خاص طور
پر آپ کو ہوتی چونکہ خلافت کبریٰ کے لوازم بھی اسی سے متعلق
ہیں اس لئے وقت خاص میں اوس کا حال بھی آپ کو ضرور معلوم
کرایا گیا ہوگا۔ بہرحال یہ امر کئی قرینوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اون وقائع کی خبر ضروری تھی جو آپکے
زمانہ میں پیش آنے والے تھے یہانتک کہ خود آپ کی شہادت کی
خبر بھی آپ کو تھی۔ چنانچہ ابوسنان کہتے ہیں کہ ایک بار علیؓ سخت
بیمار ہوئے میں عیادت کو گیا اور آپ کی خطرناک حالت دیکھ کر کہا
اے امیرالمومنین! اس بیماری سے مجھے خوف آتا ہے۔ فرمایا
خدا کی قسم مجھے کچھ خوف نہیں اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
جو صادق و مصدق تھے آپ نے مجھ سے فرمایا کہ تمہیں ایک زخم
یہاں لگے گا اور ایک زخم یہاں اور دونوں کنپٹیوں کی طرف اشارہ
کرکے فرمایا کہ اون کے خون سے داڑھی رنگین ہو جائیگی اس روایت کو

حاکم نے ذکر کرکے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہی اور اپنے قاتل کو بھی آپ
بخوبی جانتے تھے چنانچہ استیعاب میں لکھا ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ
کے پاس عبد الرحمن بن ملجم شقی ایک روز آکر سواری طلب کیا
آپ نے سواری دیکر یہ شعر پڑھا ؎ ارید حیاته ویرید قتلی الخ
یعنے میں تو اوس کی حیات چاہتا ہوں اور وہ میرے قتل کا ارادہ
رکھتا ہے اوس کے بعد فرمایا کہ یہی میرا قاتل ہے کسی نے کہا پھر
آپ اس کو قتل کیوں نہیں کرڈالتے آپنے فرمایا اس لئے کہ وہ
ہنوز مرتکب قتل نہیں ہوا۔

ناسخ التواریخ صفحہ (۹۸) میں لکھا ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام
نے خبر دی ولقد استودعت علم القرون الاولیٰ
وما هو كائن الى يوم القيامة یعنے قیامت تک جو کچھ
ہونے والا ہے اوس کا علم مجھ میں ودیعت رکھا گیا ہے اس سے
تو صاف ظاہر ہے کہ خلفائے ثلاثہ کی خلافت کا علم آپ میں پہلے
سے ودیعت رکھا گیا تھا۔

غرضکہ جب ہر ایک پیش آنے والے واقعہ کا حال آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے فرمادیا تو ممکن نہیں کہ مسئلہ خلافت
جو اہم اور ضروری تھا اوس کو آپ سے نہ فرمایا ہو حالانکہ خلفائے ثلثہ

کی خلافت کی خبر بارہا عام جلسوں میں آپ نے دی ہے - چنانچہ یہاں چند روایتیں لکھی جاتی ہیں جن سے ظاہر ہوگا کہ خلفائے ثلثہ کی خلافت مشیت ایزدی میں مقرر ہو چکی تھی اور مختلف طریقوں سے حضرت نے بطور پیشین گوئی فرما دیا اور ان کی مدح وثنا بھی کی۔

مشکوۃ شریف میں مسند امام احمد۔ ترمذی اور ابوداؤد سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خلافت نبوت تیس سال رہے گی انتہیٰ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دو سال عمرؓ کے دس سال۔ عثمانؓ کے بارہ سال اور علی اور امام حسن علیہما السلام کے چھ سال۔

ازالۃ الخفا میں بخاری سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں ایک کنوئیں پر ہوں اور اوس پر ایک ڈول رکھا ہے جس قدر خدائے تعالےٰ کو منظور تھا میں نے پانی کھینچا پھر اوس کو ابوبکرؓ نے لیا اور ایک دو ڈول کھینچے مگر اون کے کھینچنے میں کسی قدر ضعف تھا پھر عمرؓ نے اوسکو لیا اون کے ہاتھ میں وہ موٹ بن گیا اور خوب سا پانی کھینچکر لوگوں کو سیراب کیا انتہیٰ۔

کتب سیر و تواریخ سے ظاہر ہے کہ اس خواب کا پورا پورا ظہور ہوا

مستدرک حاکم میں یہ حدیث ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز کے بعد صحابہ کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ ایک شخص نے عرض کیا کہ جی میں نے دیکھا ہے کہ گویا ایک ترازو آسمان سے اوتری ہے اور اوس کے ایک پلہ میں آپ تشریف رکھتے ہیں اور دوسرے میں ابوبکرؓ آپ کا پلہ بھاری ہوگیا پھر آپ اوٹھالئے گئے اور ابوبکرؓ بیٹھے رہے پھر جس پلہ میں آپ تھے اوس میں عمرؓ بٹھائے گئے۔ ابوبکرؓ کا پلہ بھاری ہوگیا پھر ابوبکرؓ اوٹھالئے گئے اور اون کی جگہ عثمانؓ بٹھائے گئے۔ عمرؓ کا پلہ بھاری ہوگیا پھر عمرؓ اوٹھائے گئے اور اون کے ساتھ وہ ترازو بھی اوٹھالی گئی۔ یہ سنکر آنحضرت کا چہرۂ مبارک متغیر ہوگیا۔

ترازو کا اوٹھ جانا یہ تبلا رہا ہے کہ مسلمانوں میں جو اعتدالی حالت تھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت میں نہ رہے گی اور افراط وتفریط شروع ہوجائیگی۔

ازالۃ الخفاء میں ابوداؤد سے منقول ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج کی رات ایک مرد صالح نے خواب دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوبکرؓ پکڑے ہوئے ہیں اور اون کے ساتھ عمرؓ اور اون کے ساتھ عثمانؓ متعلق ہیں

صحابہ رضہ نے تعبیر دی کہ یہ حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اولوالامر ہونگے انتہے۔

مستدرک حاکم میں یہ روایت ہے کہ انس بن مالکؓ کو بنی المصطلق نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ دریافت کرنیکے لئے بھیجا کہ آپ کے بعد ہم صدقات کس کو دیں؟ فرمایا ابوبکرؓ کو پھر اونہوں نے پچھوایا اون کے بعد؟ فرمایا عمرؓ کو۔ پھر پچھوایا اون کے بعد؟ فرمایا عثمانؓ کو پھر پچھوایا اون کے بعد کس کو دیں؟ فرمایا اون کے بعد تمہاری ہلاکی ہے۔ چونکہ آئندہ کے واقعات کا کشف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا کہ ایک جماعت کثیر ضرور معاویہؓ کی طرف ہو جائے گی۔ اس لئے آپ نے تعیین خلیفہ کو مناسب نہیں سمجھا۔

ازالۃ الخفا میں سنن ابوداؤد سے منقول ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ گویا ایک ڈول آسمان سے اُترا۔ ابوبکرؓ نے اوس کے دونوں لکڑیوں کو جو اوس کے مُنہ پر لگی ہوئی تھیں پکڑ کر تھوڑا سا پانی پیا پھر عمرؓ آئے اونہوں نے خوب سیر ہو کر پیا۔ پھر عثمانؓ آئے اونہوں نے بھی سیری سے پیا۔ پھر علیؓ آئے جب اونہوں نے اون لکڑیوں کو پکڑا تو وہ کھل گئیں اور کسی قدر پانی اوس میں سے گر پڑا انتہے۔ یہ اشارہ ہے کہ

تمام مسلمان آپ کے قبضہ میں نہ آئیں گے۔

ازالۃ الخفا میں صحیح بخاری سے منقول ہے کہ ایک عورت حضرت کی خدمت میں آئی آپ نے فرمایا پھر کبھی آنا اوس نے کہا اگر آپ کو نہ پاؤں یعنے آپ کا انتقال ہو جائے تو کس کے پاس جاؤں فرمایا ابو بکرؓ کے پاس انتہٰے۔ اس سے تعیین خلیفہ مقصود نہ تھا بلکہ یہ معلوم کرانا منظور تھا کہ ابو بکرؓ پہلے خلیفہ ہونگے۔

ازالۃ الخفاء میں مستدرک حاکم سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قریب میں ایک فتنہ اور اختلاف پیدا ہونیوالا ہے۔ صحابہ رضہ نے عرض کیا۔ پھر ہمیں کیا ارشاد ہوتا ہے؟ فرمایا امیر اور اوس کے اصحاب کی رفاقت نہ چھوڑو یہ کہکر عثمان رضہ کی طرف اشارہ فرمایا جس کا مطلب یہ کہ اوس وقت عثمانؓ امیر ہونگے انتہٰے اس سے ثابت ہے کہ عثمانؓ کی خلافت میں جو نکتہ چینیاں کی گئیں وہ اون کی معزولی کا باعث نہیں ہو سکتیں۔

ازالۃ الخفاء میں مستدرک حاکم اور جامع ترمذی سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمانؓ سے فرمایا امید ہے کہ حقتعالےٰ تمہیں ایک قمیص پہنائیگا جسکو لوگ اوتار لینا چاہیں گے مگر تم اوسکو ہرگز اوتارنے نہ دینا انتہٰی۔ اسی وجہ سے عثمان رضہ نے عزل کو

قبول نہیں کیا۔

عائشہ رض فرماتی ہیں کہ جب مسجد کی بنیاد ڈالی گئی تو سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پتھر اوٹھایا پھر ابوبکر رض نے پھر عمر رض نے پھر عثمان رض نے یکے بعد دیگرے پتھر اوٹھا کر پایہ میں لگاتے گئے میں نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ ملاحظہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ کیسی مدد آپ کی کر رہے ہیں۔ فرمایا اے عائشہ یہی لوگ میرے بعد خلفاء ہونگے۔ حاکم نے مستدرک میں اس روایت کو ذکر کر کے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح علی شرط الشیخین ہے۔

عائشہ رض سے روایت ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے اصحاب سے ایک شخص کو بلاؤ میں نے عرض کی کیا ابوبکر رض کو بلائیں ؟ فرمایا نہیں۔ پھر عرض کی عمر رض کو بلائیں؟ فرمایا نہیں۔ پھر عرض کی کیا آپ کے عم زاد بھائی علی ع کو۔ فرمایا نہیں۔ پھر عرض کی کیا عثمان رض کو بلائیں ؟ فرمایا ہاں۔ جب وہ حاضر ہوئے تو مجھے ارشاد ہوا کہ تم اوٹھ جاؤ میں ایک طرف ہو گئی اور حضرت اون سے آہستہ آہستہ کچھ فرمانے لگے۔ میں یہ دیکھ رہی تھی کہ عثمان رض کا چہرہ متغیر ہو رہا تھا۔ ابو سہلہ جو عثمان رض کے غلام ہیں کہتے ہیں کہ جب عثمان رض گھر میں محبوس کئے گئے تو ہم نے کہا کیا ان لوگوں سے ہم

مقابلہ نہ کریں ؟ فرمایا نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ایک عہد
لیا تھا جس کے مطابق اب میں صبر کرتا ہوں۔ حاکم نے مستدرک میں
یہ روایت ذکر کر کے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ غرضکہ
خلفائے ثلثہ رض کی خلافت کا حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
ارشادات اور مختلف ذرائع سے صحابہ رض کو بخوبی معلوم ہو گیا تھا اور
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رضامندی بھی ظاہر فرمادی تھی
اور صدیق اکبر رض کو نماز میں امام اور اپنا قائم مقام بنا کر صحابہ رض پر یہ بات
ظاہر فرمادی کہ حضرت کے بعد انہی میں مقتدا ہونے کی صلاحیت
سب سے زیادہ ہے۔

اب یہاں یہ دیکھنا چاہیے کہ باوجودیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
جانتے تھے کہ ابوبکر رض خلیفہ ہونگے مگر خاص طور پر یہ حکم نہیں دیا کہ وہ
اپنے بعد خلیفہ بنائے جائیں اس کی کیا وجہ ؟ بات یہ ہے کہ جس چیز
کا ظہور خود بخود ہونے والا ہو اور سب اوس کو مان لیں اوس میں جو
لطف اور عمدگی ہوتی ہے وہ جبری کارروائی میں نہیں ہوتی۔

ازالۃ الخفاء میں مستدرک حاکم سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے ایک روز فرمایا کہ دوات اور شانہ کی ہڈی لاؤ تو میں تمہیں
ایسی بات لکھدوں کہ اوس کے بعد تم پھر کبھی گمراہ نہ ہوں یہ کہکر آپ نے

منھ پھیر لیا پھر صحابہ کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ سوائے ابوبکر رض کے
دوسرے کو نہ خدا قبول کریگا نہ اہل ایمان انتہیٰ - اوس زمانہ میں اکثر
شانہ کی ہڈیوں پر بجائے کاغذ کے لکھا کرتے تھے۔ استخوان شانہ
منگوانے سے مقصود وصیت نامہ لکھنا تھا مگر جب دیکھا یہ کہ صدیق اکبر رض
کی خلافت کا معاملہ تقدیر ازلی میں طے شدہ ہے اس لئے اوس کے
لکھنے کو بے ضرورت سمجھا۔

حدیث قرطاس پر جو افسوس ہوا کرتا ہے کہ عمر رض نے کاغذ لانے
سے روکدیا اگر کاغذ لایا جاتا تو معلوم نہیں حضرت کیا وصیت فرماتے
سو اس حدیث سے معلوم ہوگیا کہ یہی تحریر فرماتے کہ صدیق اکبر رض
خلیفہ بنائے جائیں بعض صحابہ جو حضرت کے مزاج داں تھے تعمیل
نہ کرسکے اس سبب سے کہ ایسی نازک حالت اور شدت مرض میں حضرت
کو اس کی تکلیف دینے کی کیا ضرورت ؟

ازالۃ الخفا میں مستدرک حاکم سے منقول ہے کہ صحابہ رض نے
عرض کیا کیا اچھی بات ہوتی کہ آپ کسیکو اپنا خلیفہ مقرر فرما دیتے - فرمایا
اگر میں کسی کو خلیفہ مقرر کرتا اور تم لوگ اوس کی نافرمانی کرتے تو تم پر
عذاب نازل ہوتا لوگوں نے عرض کیا کہ علی رض کو آپ خلیفہ مقرر
فرمائیں تو بہتر ہے فرمایا تم لوگ اون کو مقرر نہ کروگے اور اگر کروگے تو اون کو

ہادی و مہدی پاؤ گے جو تم کو سیدھی راہ پر لے چلے انتہٰی۔ یہ پیشین گوئی تھی جس کا ظہور یوں ہوا کہ علی رض کی خلافت میں ایسے جھگڑے پڑ گئے کہ آپ کو ہدایت اور اشاعت اسلام کی طرف توجہ کرنے کی نوبت ہی نہ آئی۔

بظاہر خیال ہوتا ہے کہ حضرت علی رض اہل بیت نبوی میں ہونے کی وجہ سے ابتدا سے انتہا تک آپ ہی کی خلافت ہوتی اور تیس[۳۰] برس جو مدت خلافت تھی جس کا اختتام آپ کے وفات کے ساتھ ہو گیا تو اوس پوری مدت میں آپ ہی ایک خلیفہ رہتے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ منظور تھا کہ آپ خاتم الخلفاء ہوں جیسا کہ احادیث مذکور سے ظاہر ہے۔

مدت خلافت راشدہ میں فقط علی رض کی خلافت منصوص بالنص نبوی تھی۔

تاریخ الخلفاء میں مستدرک حاکم سے منقول ہے کہ علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین من بعدی اس سے ظاہر ہے کہ خلفائے راشدین یہ چاروں حضرات ہیں اس لئے کہ لفظ خلفاء جمع ہے اور جمع کے لئے کم سے کم تین افراد چاہئیں انہی اسباب سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی ان حضرات کی خلافت راشدہ کو تسلیم کر لیا تھا۔ کیونکہ آپ جانتے تھے کہ یہ خلافت نبوت ہے اس میں خاندان اور استحقاق جو سلاطین میں

دیکھا جاتا ہے کافی نہیں۔ چنانچہ جس حدیث میں الخلافۃ ثلاثون سنۃ
ہے اوسی میں ثم بعد ذٰلک ملک بھی ہے۔ کیونکہ حضرت نے
خبر دی تھی کہ تیس۳۰ سال کی خلافت راشدہ کے بعد سلطنت ہو جائیگی
سو اوس کا ظہور ضروری تھا اور اوس کی ابتدا یوں ہوئی کہ عثمان رضؓ
شہید کئے گئے آپ بنو امیہ میں ہونے کی وجہ سے آپ کی خلافت میں
اس قبیلہ کے لوگوں کو ترقی ہوئی۔ خصوصاً معاویہؓ تو پہلے ہی سے شام
کی حکومت پر مامور تھے اونہوں نے یہ خیال کیا کہ علی رض نے بغرض خلافت
عثمان رض کو شہید کرایا اور قاتلوں کو دینے میں بھی آپ نے تامل فرمایا
اس وجہ سے اور بھی یہ خیال مستحکم ہو گیا اور سلطنت شام آپ کے مقابلہ
پر آمادہ ہو گئی۔ اور یہیں سے ملک و سلطنت کی بنیاد پڑی چنانچہ خود
معاویہ رض کا قول ہے کہ میں پہلا پادشاہ ہوں جیسا کہ استیعاب میں
اون کا قول نقل کیا ہے کہ انا اول الملوک۔

خصائص کبریٰ میں بیہقی سے منقول ہے کہ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ
کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ
خلافت نبوت تیس۳۰ سال رہے گی اوس کے بعد خدائے تعالیٰ جس کو
چاہیگا ملک دیگا۔ معاویہ رض کو جب یہ حدیث پہونچی تو کہا کہ ہم ملک ہی
پر راضی ہیں۔ غرضکہ حسب پیشین گوئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدت خلافت

راشدہ ختم ہوئی اور سلطنت کے آثار نمایاں ہوئے چنانچہ معاویہ رض نے اپنے لڑکے کو اپنا ولی عہد مقرر کیا جیسے سلاطین کا دستور ہے۔

تاریخ الخلفار وغیرہ میں لکھا ہے کہ معاویہ رض نے یزید کے ولیعہد ہونے پر اہل شام سے بعیت لی۔ اوس کے بعد مروان کو لکھا کہ مدینہ والوں سے بھی بعیت لی جائے چنانچہ مروان نے خطبہ پڑھا کہ امیر المومنین نے مناسب سمجھا ہے کہ جس طرح ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے خلیفہ بنایا وہ بھی اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ بنائیں تاکہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی سنت پر عمل ہو عبد الرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ یہ سُن کر کھڑے ہوگئے اور کہا کہ یہ قیصر وکسریٰ کی سنت ہے۔ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے نہ اپنی اولاد کو خلیفہ بنایا نہ اپنے اہل بیت میں سے کسی کو پھر معاویہ رض نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر کہا کہ اے ابن عمر! آپ نے کہا تھا کہ میں ایک ایسی رات گذرنا پسند نہیں کرتا جس میں مجھ پر کوئی امیر نہو اس لئے اب آپ یزید کی خلافت کے بارہ میں اختلاف کر کے مسلمانوں میں تفرقہ نہ ڈالئے۔ اونہوں نے خطبہ پڑھا کہ تمہارے پہلے جو خلفار گذرے ہیں اون کے بھی فرزند تھے باوجود اس کے اونہوں نے اپنے فرزندوں کو خلیفہ نہیں بنایا بلکہ بہتر اور اہل خیر کو اس خدمت کے لئے منتخب کرتے رہے

تمہارا لڑکا اون کے فرزندوں سے بہتر نہیں ہے رہی تفرقہ اندازی سو میں بھی ایک مسلمان ہوں جس کی نسبت سب کا اتفاق ہو جائیگا میں بھی اوس کا تابع ہو جاؤنگا۔

تاریخ الخلفاء میں مصنف ابن ابی شیبہ سے منقول ہے کہ سعید بن جمہان نے۔ سفینہؓ سے کہا کہ بنی امیہ کہتے ہیں کہ اب خلافت ہم میں ہے کہا زرقاء کی اولاد جھوٹی ہے وہ خلیفہ نہیں بلکہ بادشاہ ہیں اور بادشاہ بھی کیسے سخت اور پہلے بادشاہ معاویہ ہیں۔

غرضکہ قرابت کی وجہ سے ولیعہد اور جانشین ہونا سلطنت کا لازمہ ہے خلافت نبوت میں قرابت سے کوئی تعلق نہیں اسی وجہ سے علی کرم اللہ وجہہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو لائق خلافت تسلیم کرکے اون کے ہاتھ پر بیعت کی۔ چنانچہ ابن عبد البر نے استیعاب میں لکھا ہے کہ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر لوگوں نے بیعت کی تو ابوسفیانؓ علی کرم اللہ وجہہ کے پاس آئے اور کہا کہ قبیلۂ قریش کا ایک چھوٹا گھر تم پر غالب آگیا خدا کی قسم اگر تم چاہتے ہو تو میں مدینہ کو سوار اور پیادوں سے بھر دوں۔ علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا تم ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن رہے اور اوس سے اون کا کچھ ضرر نہوا ہم نے ابوبکرؓ کو خلافت کے اہل اور لائق سمجھا ہے اس لئے اونکے

ہاتھ پر بیعت کی انتہی۔

دیکھیے ابوسفیان نے عام قاعدہ کے مطابق علی کرم اللہ وجہہ کو دوستانہ رائے دی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین آپ کو ہونا چاہیئے جو ہم خاندان ہیں اور اوس پر کمال ہمدردی ظاہر کرکے پوری مدد دینے کا وعدہ بھی کیا جس سے ظاہر ہے کہ اون کا یہ بیان زبانی نہ تھا جیسا کہ خیال کیا جاتا ہے ورنہ اوس وقت کوئی ایسی تدبیر سوچتے کہ بنی امیہ کو خلافت مل جائے آخر عثمان غنی ذی النورین رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے جن کو اسلام میں بہت سے اعزازی حقوق حاصل تھے مگر علی کرم اللہ وجہہ کو غصہ اس بات پر آیا کہ باوجود اسلام لانے کے عام قاعدہ اور تعصب جاہلیت سے کیا تعلق اور ایسی جھڑکی دی کہ پھر کبھی ایسی مشورت کا نام نہ لیں۔ اگر علیؓ کے دل میں ذرا بھی مخالفانہ خیال ہوتا تو ابوسفیانؓ کو اس خیال سے کہ ع عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد۔ اپنے مشوروں میں شریک کرتے اور ایک ایسی جماعت بنا لیتے جو مخالفت کے ساتھ شہرت پاتی۔ حالانکہ کتب حدیث و تواریخ سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوسکتا کہ کوئی ایسی جماعت اوس زمانہ میں قائم ہوئی تھی۔

ناسخ التواریخ صفحہ (۱۶۳) میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا نامہ

موسومہ معاویہؓ نقل کیا ہے اوس میں یہ عبارت موجود ہے وقد کان ابوك اتانی حین ولی الناس ابا بکر فقال انت احق بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم لھذا الامر وانا زعیم لك بذالك علی من خالف علیك ابسط یدك ابایعك فلم افعل وانت تعلم ان اباك قد قال ذلك ارادۃ حتی کنت انا الذی ابیت لقرب عھد الناس بالکفر مخافۃ الفرقۃ بین اھل الاسلام یعنے جب ابوبکرؓ کو لوگوں نے والی اور خلیفہ بنا لیا تو تمہارے باپ ابوسفیان میرے پاس آئے اور کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ زیادہ تر اس امر کے مستحق ہو اور میں ذمہ دار ہوتا ہوں کہ جو کوئی آپ کی مخالفت کریگا میں اوس کی سرکوبی کرونگا آپ ہاتھ بڑھائیے پہلے میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔ مگر میں نے اوسکو قبول نہیں کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے والد نے یہ بات کسی اور خیال سے نہیں کہی تھی بلکہ جزم و ارادہ سے کہا تھا۔ مگر میں نے ہی اس سے انکار کیا اسوجہ سے کہ لوگوں کے کفر کا زمانہ قریب تھا مجھے خوف ہوا کہ کہیں مسلمانوں میں پھوٹ نہ پڑجائے انتہی۔

دیکھئے آپ صاف فرمارہے ہیں کہ لوگوں نے ابوبکرؓ کو والی

بنا لیا اور یہ بات بھی آپ تسلیم فرماتے ہیں کہ والی اور خلیفہ بنانے کا
حق اعلیٰ درجہ کے لوگوں کو ہے جیسا کہ ناسخ التواریخ صفحہ (۱۱۶)
کی جلد سیوم میں ہے کہ امیر المومنین نے معاویہؓ کے نام خط لکھا
جس میں یہ عبارت موجود ہے وانہ بایعنی القوم الذین
بایعوا ابابکر وعمر وعثمان علی ما بایعوھم علیہ
فلم یکن للشاھد ان یختار ولا للغائب ان یرد
وانما الشوریٰ للمھاجرین والانصار فان اجتمعوا
علی رجل سموہ اماما کان ذلک للہ رضی یعنے میرے
ہاتھ پر ان لوگوں نے بیعت کی جنہوں نے ابوبکر وعمر وعثمانؓ کے ہاتھ
پر بیعت کی تھی اوس کے بعد نہ کسی موجود شخص کو حق ہے کہ دوسرے
کو اختیار کرے اور نہ غائب کو حق ہے کہ اوس کو رد کرے کیونکہ
شوریٰ کا حق مہاجرین وانصار کو ہے اگر وہ کسی شخص پر اتفاق
کرکے اوس کو اپنا امام بنالیں تو اوسی کی امامت پر خدا بھی راضی
ہے انتہےٰ۔

دیکھئے علی رضؓ کے ارشاد سے ثابت ہے کہ مہاجرین وانصار
کو ابتدا سے خلیفہ بنانے کا حق تھا اور خلفائے ثلثہ کو جو اونہوں نے
خلیفہ بنایا سو اون کی خلافت سے خدا بھی راضی ہے اسی وجہ سے

آپ نے کبھی خلافت کا دعویٰ نہیں کیا تاکہ خلافت مرضی آلہی نہو۔ اور نہج البلاغہ صفحہ (۱۱۱) میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول نقل کیا ہے کہ ما اختلفت دعوتان الا کانت احدٰھما ضلالۃ یعنے خلافت کے جب دو دعوے دار ہوں تو ایک ضرور گمراہی پر ہوگا۔ جب خلفاے ثلثہ کی خلافت باتفاق اہل شوریٰ نافذ اور مرضی آلہی کے مطابق ہوگئی اوس کے بعد دعوے کرنا ضلالت تھا اس لئے کبھی آپ نے دعوے خلافت نہیں کیا۔

غرض کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خیالات ایسے نہ تھے جیسے دُنیا داروں کے ہوا کرتے ہیں کہ کسی طرح خواہ جائز ہو یا نہ حکومت حاصل کرلیں۔ آپ کا نفس نفیس خاص توجہات نبوی کے فیضان سے للٰہیت کے اوس درجہ پر ترقی کرگیا تھا کہ ہر شخص اپنے نفس پر اوسکو قیاس نہیں کرسکتا آپ کو ہر کام میں اسلامی مصلحت پیش نظر رہا کرتی تھی۔

ازالۃ الخفا میں استیعاب سے نقل کیا ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کئی راتیں اور دن بیمار رہے اس عرصہ میں جب نماز کا وقت آتا تو فرماتے کہ ابوبکر سے

کہو کہ نماز پڑہا ویں پھر جب حضرت کی وفات ہوئی تو میں نے سوچا کہ
نماز علم اسلام اور قوام دین ہے اس لئے ہم اپنے دنیوی معاملات
میں بھی راضی ہو گئے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
اون کو پسند فرمایا تھا اور اون کے ہاتھ پہ بیعت کی اور تمام مسلمانوں
کی طرح اون کی اطاعت کرتے رہے ہر چند بعض حضرات منصب
امامتِ نماز کی توہین کر کے کہتے ہیں کہ امامت کوئی قابل وقعت
چیز نہیں جس سے خلافت ثابت ہو سکے۔ مگر اہل انصاف اگر غور
فرما ویں تو معلوم ہو کہ قرائن حالیہ اور خصوصیت مقامی کو فہم مطالب
میں کس قدر دخل ہے۔ دیکھئے کوئی جلیل القدر بادشاہ دربار عام
میں کسی بزرگ کی تعظیم کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا اور مسند چھوڑ کر علیحدہ
بیٹھ جائے تو دیکھنے والوں کی نظر میں اوس بزرگ کی کیسی وقعت
ہوگی اور امرا اور مقربین بارگاہ سلطنت کس ادب سے اوس سے
ملیں گے اب اگر کوئی خارجی شخص کہے کہ مسند سے اوٹھ جانا کوئی
قابل قدر بات نہیں سانپ بچھو کے آنے سے بھی اُٹھ جاتے ہیں
تو اس فقرہ سے اوس بزرگ کی توہین تو ہو جائیگی مگر اصل واقعہ
سے اوس کو کچھ تعلق نہو گا۔ ہر چند قیام دونوں میں ہے مگر
اوس قیام تعظیمی کا اثر عموماً اہل دربار پر اور خصوصاً مقربان بارگاہ

شاہی پر جو ہوگا انہی کا دل اوسے جانتا ہے جس سے اوس بزرگ کی تعظیم پر اون کے دل خود بخود مائل ہونگے۔

اب غور کیجئے کہ مسجد نبوی میں کبھی ایسا نہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کسیکو امامت کرنیکا شرف حاصل ہوا ہو بلکہ کسیکو اسکی آرزو تک نہ آئی ہوگی اگر کہا جائے کہ اُس مقام کے تشخص ہیں گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باجود داخل تھا تو بے موقع نہ ہوگا۔ پھر جب حضرت صلعم بیماری کی وجہ سے وہاں تشریف نہ لاسکے اور نماز کا وقت آگیا تو کسی کی یہہ جرأت نہ ہوسکی کہ سجادہ خاص پر قیام کرکے بطور خلافت یا نیابت خدمت امامت کو انجام دے حالانکہ علی کرم اللہ وجہہ کو اوس مقام سے خاص تعلق تھا یہانتک کہ جنابت کی حالت میں بھی آپ کو وہاں سے گذرنے کا حق تھا اس کے سوا قرب قرابت اور اہل بیت ہونے کا جو شرف حاصل تھا کسی کو نہ تھا باوجود اسکے آپ سے بھی نہ ہوسکا کہ اوس مقام میں کھڑے ہوکر اوس خدمت کو انجام دیں۔ اب صدہا صحابہ جن کو اقسام کی خصوصیتیں حاصل تھیں دم بخود اور اس انتظار میں ہیں کہ دیکھئے کس کو یہ شرف خلافت اور نیابت حاصل ہوتا ہے کہ اتنے میں ارشاد ہوا کہ ابو بکرؓ اس خدمت کو انجام دیں۔ ہر چند بعض ازواج مطہرات نے اس انتخاب میں

کلام کیا مگر اوس پر کچھ توجہ نہ ہوئی بلکہ کمال عتاب سے پھر وہی ارشاد مکرر
ہوا کہ ابوبکر سے کہو کہ وہ امامت کریں پھر یہ انتخاب اتفاقی طور پر ایک
دو وقت کے لئے ہی نہ تھا بلکہ جب تک حضور اقدس اس عالم میں
تشریف رکھتے تھے اُنہی کو اپنا قائم مقام فرمایا اور کبھی اون کی
عزت افزائی کی غرض سے خود نے بھی اقتدا کی۔ غرضکہ قرائن
حالیہ کے مشاہدہ سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی کچھ ایسی وقعت
صحابہؓ کے دلوں میں جمی کہ خلافت کے وقت کسی کو چون وچرا کی
گنجائش ہی نہ تھی اور علی کرم اللہ وجہہ جیسے مزاج داں اور رمز شناس
اصحاب نے معلوم کر لیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی کو
خلافت کے لئے منتخب فرمایا ہے جیسا کہ اس روایت سے ظاہر
ہے۔ اور اگر بعض صحابہ مثل سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کچھ
کلام بھی کیا تو وہ مقتضائے بشریت سے تھا کیونکہ وہ چاہتے تھے کہ
انصار میں حکومت رہے اور خود جس طرح ایام جاہلیت میں حاکم
تھے اسلام میں بھی رہیں۔ بخلاف صدیق اکبرؓ کے کہ باوجود اوس
تخصیص کے آپ نے خلافت کا دعویٰ نہیں کیا البتہ حسب ارشاد
نبوی یہ ضرور سمجھتے تھے کہ خلافت قریش میں رہے اور منا امیر
ومنکم امیر کو جائز نہیں رکھتے تھے۔

نہج البلاغہ صفحہ (۷۳) جلد (۲) میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا خط نقل کیا ہے جو اہل مصر کے نام آپ نے تحریر فرمایا چنانچہ لکھا ہے

وكتاب له عليه السلام الى اهل مصر مع مالك
الاشتر لما ولاه امارتها اما بعد فان الله سبحانه
تعالى بعث محمدا صلى الله عليه واله نذيرا للعالمين
ومهيمنا على المرسلين فلما مضى عليه السلام
تنازع المسلمون الامر من بعده فوالله ما كان
يلقى في روعي ولا يخطر ببالي ان العرب تزعج هذا الامر
من بعده صلى الله عليه واله وسلم عن اهل بيته
ولا انهم منحوه عني من بعده فما راعني الا انثيال
الناس على فلان يبايعونه فامسكت بيدي حتى
رأيت راجعة الناس قد رجعت عن الاسلام
يدعون الى محق دين محمد صلى الله عليه وسلم
فخشيت ان لم انصر الاسلام واهله ان ارى
فيه ثلما او هدما يكون المصيبة علىّ اعظم من
فوت ولايتكم التي انما هي متاع ايام قلائل يزول
منها ما كان كما يزول السراب وكما يتقشع

السحاب فنھضت فی تلک الاحداث حتی زاح الباطل وزھق واطمأن الدین وتنھنہ یعنے علیؓ نے جب مالک اشتر کو مصر کا والی بنا کر بھیجا تو اون کے ساتھ اہل مصر کے نام یہ نامہ روانہ فرمایا کہ بعد حمد و صلوٰۃ یہ معلوم کرو کہ خدائے تعالےٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا جب آپ اس عالم سے تشریف لے گئے خلافت میں لوگ جھگڑنے لگے مگر خدا کی قسم مجھے خیال بھی نہیں آتا تھا کہ عرب خلافت اہل بیت کو خصوصاً مجھے نہ دیکر کسی دوسرے خاندان میں دیدینگے پھر کیا دیکھتا ہوں کہ فلاں صاحب یعنی ابوبکرؓ پر لوگ ٹوٹ پڑ رہے ہیں اور بیعت کئے جاتے ہیں اس سے میں گھبرایا اور اس وقت تک بیعت سے ہاتھ روکا کہ بعض عرب مرتد ہو کر دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مٹانے کی فکر کرنے لگے اسوقت مجھے خوف ہوا کہ اگر میں اسلام اور اہل اسلام کی مدد نہ کروں تو دین میں رخنہ پڑجائیگا یا وہ منہدم ہی ہو جائے گا اور اوس وقت حکومت جانے سے زیادہ مجھ پر مصیبت ہو گی۔ در اصل حکومت دنیوی چند روزہ مثل سراب کے سریع الزوال ہے۔ اس خیال سے میں اُن نئے خیال کے لوگوں کے مقابلہ میں کھڑا ہو گیا یہانتک کہ باطل دفع ہوا اور دین باطمینان قائم ہو گیا۔

عہ تنھنہ ای سکن۔ منتہی الارب

در روایت ھمہ جا باطل گفتہ و در شد

اس روایت سے کئی باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ علی کرم اللہ وجہہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اور ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں کو مسلمان سمجھتے تھے جیسا کہ فرماتے ہیں کہ اسلام اور اہل اسلام کی مدد کی۔ اس سے ثابت ہوا کہ جو روایتیں پیش کی جاتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے ساتھ ہی سوائے تین شخصوں کے کل صحابہ مرتد ہو گئے سو وہ بے اصل محض ہیں جن کو غالباً ابن سبا نے بنایا ہوگا جس کا حال انشاء اللہ تعالے قریب میں معلوم ہوگا۔

دوسری[2] یہ کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ دین کے اطمینان اور استقرار کا زمانہ تھا جیسا کہ فرمایا زاح الباطل وزھق واطمان الدین۔

تیسری[3] یہ کہ آپ نے بطوع ورغبت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور عمومی مصلحت کے لحاظ سے اپنی ذاتی حکومت سے دست بردار ہو گئے تھے۔

چوتھی[4] یہ کہ جس طرح تمام اہل اسلام ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں کام کرتے تھے آپ بھی کرتے تھے۔

پانچویں[5] یہ کہ آپ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفۂ برحق سمجھتے تھے

کیونکہ حق تعالےٰ فرماتا ہے وتعاونوا علی البر والتقوی ولا
تعاونوا علی الاثم والعدوان یعنے ایک دوسرے کی
مدد نیک کاموں اور تقوے میں کرو اور گناہ وزیادتی میں مدد
مت کرو چونکہ غاصب یقیناً مرتکب عدوان وزیادتی ہے اسلئے
اوس کی مدد اس نص قطعی سے حرام ثابت ہوگی ہرچند یہ اسلام
کی مدد تھی مگر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا استحکام اس سے
ضرور ہوا اور علی کرم اللہ وجہہ کا تقویٰ ہرگز اس کو گوارا نہیں
کرسکتا تھا کہ غصب کا استحکام اور اوس کی تائید کریں۔ پھر اوس پر
غصب کی تعریف بھی صادق نہیں آتی اس لئے کہ خود علی کرم اللہ
وجہہ نے فرمایا ہے کہ خلیفہ بنانا مسلمانوں کا کام ہے جیسا کہ
نہج البلاغہ وغیرہ میں مصرح ہے جس سے ثابت ہے کہ اوس
زمانہ میں خلافت مسلمانوں ہی کا حق سمجھا جاتا تھا کہ جس کو چاہیں
خلیفہ بناویں۔ اگر بالفرض ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی خواہش سے
خلیفہ بن بیٹھے بھی ہوں تو اوس کو جائز رکھنا یا نہ رکھنا مسلمانونکا
کام تھا پھر جب اونھوں نے جائز رکھا تو اپنا حق اونکو دیدیا اور ظاہر ہے
کہ جب صاحب حق کسیکو اپنا حق دیدے تو اوسکا مالک ہوجاتا ہی بہرحال اس سے ثابت ہے کہ
جتنی روایتیں غصب خلافت سے متعلّق بیان کی جاتی ہیں

تعجب نہیں کہ ابن سبا اور اوس کی کمیٹی والوں کی بنائی ہوئی ہوں

چھٹی یہ کہ مسلمانوں نے ابوبکر رض کے ہاتھ پر بیعت بغیر جبر و اکراہ

کے اپنی خوشی سے کی جیسا کہ شمار اعنی الا انثیال الناس

علی فلان یبایعونہ سے ظاہر ہے۔

اب رہی یہ بات کہ بعض روایتوں سے علی رض کی ناراضی معلوم

ہوتی ہے سو اوس کی وجہ دوسری ہے جس کو ازالۃ الخفاء میں مستدرک

حاکم سے نقل کیا ہے کہ علی اور زبیر رضی اللہ تعالے عنہما فرماتے ہیں

کہ اوائل میں ہمیں جو غصہ آیا اوس کی وجہ یہ تھی کہ ہم خلافت کے مشورے

میں شریک نہیں کئے گئے ورنہ ہم جانتے تھے کہ ابوبکر رض مستحق خلافت

ہیں کیونکہ وہ غار میں حضرت کے رفیق تھے جن کی شان میں ثانی اثنین

حق تعالے نے فرمایا ہے اور اون کی شرف و بزرگی کو ہم جانتے

تھے کہ حضرت نے اپنی زندگی ہی میں اون کو امام بنایا تھا۔

تاریخ الخلفا میں مستدرک حاکم وغیرہ سے منقول ہے کہ جب مہاجرین

و انصار بیعت کر چکے تو ابوبکر رض خطبہ کے لئے منبر پر چڑھے اور حاضرین

پر نگاہ ڈالی دیکھا کہ زبیر رضی اللہ عنہ نہیں ہیں اون کو بلوایا اور

کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپی زاد بھائی اور اون کے

حواری اور حالت یہ کہ مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنا چاہتے ہیں او نہوں نے

کہا لا تثریب یا خلیفۃ رسول اللہ مطلب یہ کہ مجھ سے
قصور ہوگیا اب سرزنش نہ فرمائیے یہ کہکر بیعت کرلی اوس کے بعد
ابوبکر رضؓ نے پھر غور کیا تو علی رضؓ بھی نہیں ہیں اون کو بلوایا جب وہ
آئے تو فرمایا آپ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کا چچا زاد بھائی ہوں اور داماد بھی ہوں اور ارادہ یہ کہ مسلمانوں میں
تفرقہ ڈالیں یہ سنتے ہی آپ نے بھی لا تثریب یا خلیفۃ
رسول اللہ کہکر بیعت کرلی انتہےٰ۔ اس روایت کی تصدیق
ناسخ التواریخ کی اوس روایت سے ہوتی ہے جو ابھی مذکور ہوئی
کہ علی کرم اللہ وجہہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ باوجودیکہ
ابتدا میں ابوسفیان نے میرے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہا تھا مگر میں
نے اس خوف سے انکار کردیا کہ مسلمانوں میں تفرقہ پڑجائیگا اس سے
ظاہر ہے کہ دعوے خلافت کی وجہ سے بیعت کرنے میں تعویق
ہوتی تو فوراً آپ بیعت کرلیتے اس سے ثابت ہے کہ تعویق کا سبب
وہی تھا جو حاکم کی روایت سے ابھی معلوم ہوا۔

اثبات بیعت علی کرم اللہ وجہہ ... بخلفائے ... وفضیلت شیخین

یہ بیعت کرنا اسی وجہ سے تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے بعد صحابہ سب سے افضل ابوبکر رضؓ کو سمجھتے تھے۔ چنانچہ ازالۃ الخفا
میں بخاری اور ابوداؤد سے منقول ہے کہ محمد بن حنفیہ رحؒ کہتے ہیں کہ

میں نے اپنے والد یعنے علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خیر الناس کون ہیں فرمایا ابو بکر رضی اللہ عنہ پھر پوچھا اون کے بعد فرمایا عمر رضی اللہ عنہ۔

ازالۃ الخفا میں اکثر روایتیں مختلف طریقوں اور متعدد کتابوں سے نقل کی ہیں جن کا مضمون یہ ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ نے بارہا لوگوں کے سوال کے جواب میں اور خطبوں میں یہی فرمایا ہے کہ ابو بکر رضہ اور اون کے بعد عمر خیر الناس اور افضل ہیں۔

اور استیعاب سے نقل کیا ہے کہ علی رضہ نے علی رؤس الاشہاد فرمایا کہ جو شخص مجھ کو ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما پر فضیلت دیگا میں اوسکو مفتری کی حد مارونگا۔

اور اوسی میں یہ روایت ہے کہ ایک روز علی کرم اللہ وجہہ نے لوگوں سے پوچھا کیا تمہیں خبر دوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کون شخص اس امت میں سے پہلے جنت میں داخل ہوگا لوگوں نے خواہش ظاہر کی۔ فرمایا پہلے ابو بکر رضہ جائینگے انکے بعد عمر رضہ کسی نے کہا کیا آپ سے بھی پہلے یہ دونوں صاحب جائینگے؟ فرمایا ہاں خدا کی قسم یہی بات ہے وہ جنت میں داخل ہو جائینگے اور میں معاویہ رضہ کے حساب وکتاب میں رکا رہونگا۔

ازالۃ الخفا میں ترمذی اور ابن ماجہ سے منقول ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ

فرماتے ہیں کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ جتنے میانہ سن ادھیڑ لوگ پچھلی اُمتوں سے اور اس امت کے جنت میں داخل ہونگے سب کے سید ابوبکرؓ و عمرؓ ہیں یہ کہکر فرمایا اے علی! تم اون کو اس کی خبر نہ دو۔

ازالۃ الخفاء میں مسند امام احمد سے منقول ہے کہ جنگ جمل کے روز علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ امارت کے باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی بات قرار نہیں دی بلکہ جو کیا ہمنے اپنی رائے سے کیا چنانچہ ابوبکرؓ خلیفہ بنائے گئے خدا کی رحمت ابوبکرؓ پر ہو انہوں نے دین کو قائم کیا اور خود نے بھی اوس پر استقامت کی اون کے بعد عمرؓ خلیفہ ہوئے خدا کی رحمت عمرؓ پر ہو اونہوں نے دین کو خوب قائم کیا اور خود نے بھی استقامت کی یہانتک کہ دین نہایت آسائش میں رہا۔

ازالۃ الخفاء میں مستدرک حاکم سے منقول ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ دین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سابق ہیں اور دوسرے ابوبکرؓ اور تیسرے عمرؓ اون کے بعد فتنہ نے ہم میں بدنظمی ڈال دی۔ خدائے تعالےٰ جس کو چاہے گا معاف کریگا۔

تاریخ الخلفاء میں یہ روایت ہے کہ جب علی کرم اللہ وجہہ بصرہ

تشریف لے گئے۔ ابن کوا اور قیس ابن عبادہ نے پوچھا کیا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت کے لئے آپ کو ولیعہد مقرر فرمایا تھا؟
کہا اگر مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ولیعہد مقرر فرماتے تو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما
کو آپ کے منبر پر کھڑے رہنے نہ دیتا اور اپنے ہاتھ سے اون کو قتل
کرتا اگرچہ سوائے اس چادر کے میرا کوئی رفیق نہوتا۔ لیکن بات یہ ہے
کہ حضرت ناگہاں قتل نہیں کئے گئے اور نہ مرگ مفاجات سے آپکا
انتقال ہوا بلکہ کئی رات دن بیمار رہے اور نماز کے وقت موذن
آکر نماز کی خبر دیتا اور آپ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امامت کا حکم فرماتے
حالانکہ میں بھی وہاں موجود ہوتا اور مجھ کو ملاحظہ بھی فرماتے اور باوجودیکہ
کسی بیوی نے اس باب میں کچھ کہا بھی تو اون پر خفا ہو کر ابوبکر رضی اللہ
عنہ ہی کو امامت کا حکم دیا۔ پھر جب حضرت کا انتقال ہوا تو ہم نے
اپنے معاملہ میں غور کیا دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے دین کے معاملہ
میں ابوبکر رض کو پسند فرمایا تو ہمنے اپنے دنیا کے معاملہ میں بھی اونہی کو اختیار کیا کیونکہ
نماز اصل اسلام اور قوام دین ہی اسلئے ہمنے ابوبکر رض کے ہاتھ پر بیعت کی اور
وہ اوس کے اہل بھی تھے اس لئے کسی دو شخصوں نے بھی اس
باب میں اختلاف نہ کیا پھر میں نے اون کا پورا حق ادا کیا اور اونکی
اطاعت کی اور اون کے لشکر میں شریک ہو کر جنگ کی جب وہ

کچھ دیتے تو میں لے لیتا۔ اور جنگ پر بھیجتے تو جاتا اور اون کے
روبرو اپنے ہاتھ سے حد مارتا۔ پھر عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما کے
ہاتھ پر بیعت کی اور یہ سب کام اون کے وقت میں بھی کرتا رہا تھے
حضرت علی کرم اللہ وجہہ جو فرماتے ہیں کہ ابو بکر رہ کی خلافت میں کسی نے
اختلاف اور کلام نہیں کیا اس سے پوری پوری تصدیق آپ کے
اوس قول کی ہوتی ہے جو نہج البلاغہ صفحہ (۹۷) میں ہے من
اصلح بینہ وبین اللہ اصلح اللہ ما بینہ وبین الناس
ومن اصلح امر اخرتہ اصلح اللہ لہ امر دنیاہ ومن
کان لہ من نفسہ واعظ کان علیہ من اللہ حافظ
یعنے جس نے اپنے اور خدا کے درمیانی معاملات کو درست کر لیا تو
خدائے تعالے اوس کے اور لوگوں کے درمیانی معاملات کو درست
کر دیتا ہے اور جس نے اپنی آخرت کا کام درست کر لیا خدائے تعالے
اوس کے دنیوی کاموں کو درست کر دیتا ہے اور جس کے لئے اوسکا
خود نفس واعظ ہو تو خدائے تعالے ایک نگہبان اوس پر مقرر فرما دیتا
ہے جو لغزشوں سے اوس کو محفوظ رکھتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے
کہ ابو بکر رہ سے تمام صحابہ جو راضی تھے اوس کی یہی وجہ تھی کہ
خدائے تعالے کو اونہوں نے راضی کر لیا تھا۔

یہ چند روایتیں گویا مشتے نمونہ از خروارے ہیں ان کے سوا اور بہت سی روایتیں کتب احادیث میں مذکور ہیں جن سے ظاہر ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو اپنے سے افضل اور مستحق خلافت سمجھتے تھے اور ان کی اطاعت کو اپنا فرض منصبی جانتے تھے۔

اب چند آیات بھی دیکھ لیجئے جن سے خلفائے راشدین کی خلافت کا ثبوت ہوتا ہے۔ حق تعالے فرماتا ہے ھُوَالّذی جعلکم خلائف الارض ورفع بعضکم فوق بعض درجات لیبلوکم فیما اتاکم یعنے وہی اللہ ہے جس نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا اور بعض کے درجے بعضوں سے بلند کئے تاکہ آزمائیں تمہیں مال اور جاہ میں جو تمہیں دیا ہے۔ دیکھئے اس آیۂ شریفہ میں گویا حق تعالے اپنے علم ازلی کا اظہار فرماتا ہے کہ ہم نے مسلمانوں کو زمین کے خلیفہ بنائے جن میں سے بعضوں کو مدارج عالیہ عطا فرمائے یہ خلفائے راشدین کی طرف اشارہ ہے اور ارشاد ہے کہ مقصود اس سے خلفاء کی آزمائش ہے چنانچہ خلفائے راشدین اس آزمائش میں کامل عیار ثابت ہوئے جیسا کہ کتب سیر و تواریخ سے ظاہر ہے۔ انہوں نے ہر کام میں مرضیات الٰہی

کی اس قدر پابندی کی کہ باوجود سلطنت کے فقر و فاقہ کو اختیار کیا۔ مسلمانوں کی قلیل التعداد جماعت کے ساتھ اسلام کے حدود اتنے بڑے کئے کہ بعد والے کروڑ ہا مسلمان بھی ان کی پوری حفاظت نہ کر سکے ان حضرات کی کارگزاریوں کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

تفسیر منہاج الصادقین صفحہ (۵۳۳) جو حضرات شیعہ کی معتبر تفسیر ہے اس سے مولوی محمد جہانگیر خاں صاحب مصنف تذکرۃ الخلفاء شکوہ آبادی نے آیۂ موصوفہ کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ بر ہر تقدیر خطاب با اہل ایمان است کہ امت مرحومہ اند و معنی آنست کہ اے مومنان شمارا خلیفہ گذشتہ گردانید۔ اور اسی میں یہ بھی لکھا ہے کہ آیۃ تعز من تشاء کے تحت میں منہاج الصادقین میں لکھا ہے کہ مراد عزت ہائیں امت است باستیلائے دیار عرب و عجم و مراد ذلت اہل فارس و روم و غیر ایشاں از کفار امم۔ جب بتصریح حضرات شیعہ ثابت ہے کہ خلفائے راشدین بلکہ جمیع صحابہ کو خدائے تعالےٰ نے خلفاء بنایا اور ان کو عزت دی تو ایسے معزز خلفا کی توہین و تذلیل کرنا اور ان کی خلافت کو غصبی خلافت کہنا کیونکر جائز ہوگا۔

قولہ تعالےٰ ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون تذکرۃ الخلفاء میں تفسیر

منہاج الصادقین سے نقل کیا ہے۔ سعید ابن جبیر و مجاہد و ابن زید گویند کہ مراد بہ زبور از جنس کتب منزلہ ہست و ذکر لوح محفوظ یعنے در جمیع کتب آسمانی نوشتہ ایم پس ازانکہ در لوح محفوظ ثبت کردہ بودیم یعنے حکم کردہ ایم کہ زمین دنیا را بندگان ماکہ امت پیغمبر آخر الزمان اند بمیراث گیرند یعنے بفتح و نصرت و اجلائے کفار دراں تصرف نمایند بنا بر قولہ تعالے لیظہرہ علی الدین کلہ واز حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم مروی است کہ فرمود زویت لی الارض فاریت مشارقھا و مغاربھا و یبلغ ملک امتی ما زوی منھا یعنے فراہم آوردہ شد برائے من ہمہ زمین پس نمودہ شدم بر مشارق و مغارب آں وزود باشد کہ برسد ملک امت من آں مقدار کہ فراہم آوردہ شد برائے من از زمینے۔ دیکھئے اس آیہ شریفہ سے ثابت ہے کہ جو حضرات ان ملکوں کو فتح کرکے بحسب وعدہ آلہی انکے وارث ہوئے وہ سب صلحا تھے جسکی تصدیق علامہ مؤلف منہاج الصادقین نے بھی کی ہے۔ کیوں نہو جن کو خود خدائے تعالی عبادی الصالحون فرمادے ان میں کون کلام کرسکتا ہے۔ اب دیکھئے کہ کل فتوحات خلفائے ثلثہ ہی کے زمانے میں ہوئے جن کی عزت افزائی میں خدائے تعالے فرماتا ہے کہ عبادی الصالحون

یعنے وہ خاص میرے صلحا بندے ہیں۔ ان کو مرتد و کافر وغیرہ کہنا
کس قدر بے ادبی ہوگی اور جن کی اطاعت کرکے صحابہ نے یہ وراثت
حاصل کی ان کو اولی الامر واجب الاتباع نہ سمجھنا اور یہ کہنا کہ اطیعوا اللہ
واطیعوا الرسول واولی الامر کے روسے علی کرم اللہ وجہہ
واجب الاتباع تھے سب نے اس آیۂ شریفہ کی مخالفت کی جس کی وجہ سے
صلحا کا اطلاق اون پر نہیں ہوسکتا کس درجہ بے موقع ہوگا۔

قولہ تعالے الذین ان مکناھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ
واتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر
ترجمہ وہ لوگ یعنے مہاجرین اگر حاکم وقت بنا کر زمین میں ہم
اون کے پاؤں جمائیں تو وہ نماز کو قائم کرینگے اور زکوٰۃ دینگے اور
لوگوں کو اچھے کاموں کا حکم کرینگے اور برے کاموں سے منع کرینگے
یہ آیت شریف مہاجرین کے شان میں نازل ہوئی کیونکہ شروع آیت
یہ ہے اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی
نصرھم لقدیر الذین اخرجوا من دیارھم بغیر
حق الا ان یقولوا ربنا اللہ یعنے جن مسلمانوں سے کافر لڑتے
ہیں۔ اون کو بھی کافروں سے لڑنے کی اجازت ہے اس واسطے
کہ اون پر ظلم ہوا ہے اور کچھ شک و شبہ نہیں کہ اللہ اون کی مدد

کرنے پر قادر ہے وہ لوگ صرف اتنی بات کہنے پر کہ ہمارا رب اللہ ہی ناحق اپنے گھروں سے نکالے گئے انتہٰی۔ اس کے بعد الذین ان مکناھم الآیہ ہے۔

اہل بصیرت اس آیۂ شریفہ سے سمجھ سکتے ہیں۔ کہ جس وقت حق تعالےٰ نے مہاجرین کی مظلومیت اور حقانیت کے لحاظ سے اون کو جہاد کی اجازت دی۔ اوس وقت جانتا تھا کہ یہ سلسلہ ختم نہ ہوگا اوسوقت تک کہ عرب وعجم داخل حدود اسلام نہ ہولیں اور وقتاً فوقتاً اون کو باطنی تائید دیجائیگی۔ اور جن کے ہاتھوں پر جو فتوحات ہونے والے تھے وہ سب کے سب پیش نظر تھے۔ ہرچند کسی مصلحت سے اون کے نام نہیں بتائے گئے مگر اس امر کی تصریح فرمادی گئی۔ کہ جو مظلوم گھروں سے نکالے گئے اس درجہ کے ہیں۔ کہ اگر اون کو خلافت دیجائے تو عمدگی سے اوس کو انجام دینگے۔ پھر جب وقت اوس کا آگیا تو غیب سے سب کے دلوں میں القاء ہوگیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کرلیں۔ چنانچہ ایک ہی مجلس میں یہ معاملہ طے ہوگیا۔ حالانکہ مختلف قبائل مختلف مزاجونکے خودسر ہتیاربند لوگ وہاں جمع تھے اور مخالفتیں بھی ہوتی رہیں۔ مگر تھوڑے ہی عرصہ میں وہ جھگڑا طے ہوگیا جو تیرہ سو سال سے ابتک طے نہیں ہوا اور نہ آئندہ اوس کے طے

ہونے کی امید ہے اس تھوڑی مدت میں اتنے بڑے مہتم بالشان خطرناک امر کا طے ہونا بغیر اس کے کہ منجانب اللہ تائید و القا ہو ممکن نہیں۔ اسی کا نام فلتۃ ہے جس کی خبر عمر رضی اللہ عنہ نے دی ہے کانت بیعۃ ابوبکرؓ فلتۃ وقی اللہ المسلمین شرھا یعنے ابوبکرؓ کے ہاتھ پر جو بیعت کی گئی تھی بے سوچے سمجھے ناگہانی تھی۔ مگر اوس کے برُے اثر سے خدائے تعالےٰ نے مسلمانوں کو بچا رکھا۔ کیوں نہ ہو وہ تو القاء ربانی تھا وہاں شر کو کیا دخل۔ اس ناگہانی بیعت کی وجہ یہ تھی کہ خدائے تعالےٰ کو منظور تھا کہ ابوبکرؓ خلیفہ مقرر ہوں۔ اس وجہ سے کسی کی کچھ نہ چل سکی اور دلوں میں عموماً آپ کا القا ہو گیا اور سب نے بہ طیب خاطر بے چون وچرا اوسکو مان لیا۔ اسی کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دی تھی جو مسلم شریف کی حدیث سے ظاہر ہے کہ فرماتے ہیں یابی اللہ والمومنون الا ابوبکر ذکرہ فی المشکوٰۃ یعنے نہ خدائے تعالےٰ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا کسی کے خلافت سے راضی ہوگا اور نہ اہل ایمان۔ وہ سب دوسرے کی خلافت کا انکار کر دینگے۔

دیکھئے یہ آیۂ شریفہ جس وقت نازل ہوئی تھی اوس وقت ممالک مقبوضہ اسلامیہ میں سے کوئی ملک مسلمانوں کے قبضہ میں نہ تھا چنانچہ

ان مکنّاھم فی الارض سے بھی ظاہر ہے اوس حالت میں خدائے تعالےٰ مہاجرین کی نسبت اپنا اطمینان ظاہر فرماتا ہے۔ کہ اگر ہم اون کو حکومت دیں اور ملک پر قابض کرادیں تو وہ اچھے کاموں کا حکم کرینگے اور بُرے کاموں سے منع کریں گے۔ اب اگر خیال کیا جائے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت خدا اور رسول کی مرضی کے خلاف تھی اور علی کرم اللہ وجہہ مستحق خلافت تھے جس کا مطلب یہ ہوا کہ ابوبکرؓ کو خلیفہ بنانا منکر تھا اور علی کرم اللہ وجہہ کو خلیفہ بنانا معروف تھا تو لازم آئیگا کہ ان لوگوں نے نہ امر بالمعروف کیا نہ نہی عن المنکر کی اور خرابی اور فساد کا بیج بودیا۔ تو جب اصل ہی منکر اور فاسد ہو تو ظاہر ہے کہ اوس کے ثمرات کل اوسی قسم کے اور بنار الفاسد علی الفاسد ہونگے اب غور کیا جائے کہ حق تعالےٰ تو فرماتا ہے کہ ان لوگوں کو حکومت دیں تو وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرینگے اور خیال یہ کیا جائے کہ اونہوں نے کچھ بھی نہ کیا بلکہ اوس کے خلاف کیا تو یہ خیال اوس اطمینان آلہی کے مقابلہ میں کس قدر بدنما اور حیرت انگیز ہوگا۔ غرضکہ جس زمانہ میں ملک اون کے قبضہ میں دیا جارہا تھا اور اسلامی فتوحات ہورہے تھے اوس وقت جن کو اونہوں نے خلیفہ بنانیکا حکم کیا وہ بحسب نص قطعی امر بالمعروف تھا۔ اور اگر اون کے خلاف میں

کسی دوسرے کو خلیفہ بنانے کا کسی نے ارادہ کیا ہوگا جس سے اونھوں نے منع کیا ہوگا تو وہ نہی عن المنکر تھی۔

قولہ تعالے وعد اللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا یعبدوننی لایشرکون بی شیئا ترجمہ وعدہ دیا اللہ نے جو لوگ تم سے ایمان لائے اور نیک کام کئے البتہ حاکم کریگا ان کو ملک میں جیسا کہ حاکم کیا تھا ان سے اگلوں کو اور جما دیگا ان کو دین ان کا جو پسند کردیا ان کے واسطے اور دیگا ان کے ڈر کے بدلہ میں امن وہ میری بندگی کرینگے شریک نہ کرینگے میرا کسی کو انتہے۔

تذکرۃ الخلفاء میں لکھا ہے کہ منہاج الصادقین جو شیعہ کی کتاب ہے اس میں لکھا ہے لیستخلفنھم ہر آئینہ خلیفہ گرداند ایشاں را ایں جواب قسم مضمر است تقدیرہ وعد اللہ واقسم لیستخلفنھم مطلب یہ کہ خدائے تعالے قسم کھاکر فرمایا کہ صحابہ کو زمین کا خلیفہ بنا دیگا۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ در اندک فرصتے

حق تعالے وعدۂ مومنان وفا نمودہ جزائر عرب و دیار کسریٰ وبلاد روم بدیشاں ارزانی داشت ولیمکنن لھم ہر آئینہ متمکن وثابت سازد و باقوت گرداند برائے مومنان صالح دینھم دین ایشاں را مراد دین اسلام است الذی ارتضی لھم آں دینے کہ پسندیدہ وبرگزیدہ است برائے ایشاں یعبدوننی لایشرکون بی شیئاً یعنے خلافت وحکومت وجاہ ایشاں را از توحید وعبادت باز ندارد ایں دلیل اعجاز قرآن وحجت صحت نبوت آں قدوۃ عالمیان است چہ ایں اخبار است از غیب ومعلوم نمی شود مگر بوحی۔

دیکھئے خدائے تعالے نے قسم کھاکر فرمایا کہ صحابہ کو خلافت دیگا اور جو دین کو پسند فرمایا اس میں ان کو ثابت قدم کریگا اور باتفاق شیعہ وسُنّی یہ وعدہ اسی زمانہ میں پورا ہوا۔ جیسا کہ منہاج الصادقین سے ابھی معلوم ہوا یعنے بمصداق لیستخلفنھم فی الارض کے مہاجرین میں سے ابوبکر اور عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کو حقتعالے نے خلافت بھی دی اور بلاد عرب وعجم وغیرہ کو ان کے زیر فرمان بھی کیا کیونکہ انہیں حضرات کی عہد حکومت میں یہ ملک فتح ہوا ہے۔ اور بمصداق لیمکنن لھم دینھم کے ان کو اور ان کے

ہاتھ پر بیعت کرنے والوں کو دین میں ثابت قدم بھی کیا ورنہ عرب وعجم یورپ اور افریقہ کے کروڑ ہا کفار کے مقابلہ میں چند صحابہ کی ہستی ہی کیا جو سر بر ہو سکتے اور بمصداق لیبدلنّھم من بعد خوفھم امنًا کے جو خوف ان کو قبائل عرب اور سلاطین عجم اور یورپ اور افریقہ سے تھا اس کو دفع کر کے ان کو مطمئن بنا دیا۔ اب ان تمام وعدوں کے پورے ہونے کے بعد یہ کہنا کہ مسئلۂ امامت کا فیصلہ نہ ہوا اور بغیر امام برحق کے یہ سب کام ہو گئے یا یہ کہنا کہ سب وعدے تو پورے ہوئے مگر خلیفہ بنانے میں غلطی ہو گئی اس آیۂ شریفہ کے کس قدر خلاف ہوئے جاتا ہے۔

منہاج الکرامۃ جو حضرات شیعہ کی معتبر اور معتمد علیہ کتاب ہے اس کی ابتدا میں لکھا ہے کہ مسئلۃ الامامۃ التی یحصل بسبب ادراکھا نیل درجۃ الکرامۃ وھی احد ارکان الایمان المستحق بسببہ الخلود فی الجنان والتخلص من غضب الرحمان فقد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ جاھلیۃ یعنے مسئلۂ امامت ایمان کا ایک رکن ہے جس نے خلیفۂ برحق کو مانا وہ جنتی اور خدا کے

غضب سے چھوٹا اور جس نے اپنے زمانہ کے امام کو نہ پہچانا وہ جاہلیت کی موت سے مریگا۔ اگر اس تقریر کے لحاظ سے یہ کہا جائے کہ اسوقت صحابہ نے مسئلۂ امامت پر غور نہ کیا اور خلیفۂ برحق کو خلیفہ نہ بنایا اسی وجہ سے اون کے دین میں ایک ایسا نقص رہا ہے کہ ان کے ایمان کا ایک رکن ہی فوت تھا اور ان کی موت جاہلیت کی موت ہوئی تو لازم آئیگا کہ خلفائے ثلثہ کو خدائے تعالے نے خلیفہ نہیں بنایا بلکہ لوگوں نے خدا اور رسول کی مخالفت کر کے خلاف وصیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کو خلیفہ بنالیا۔ اور ہر چند خدائے تعالے نے اپنی قدرت کاملہ سے بحسب وعدہ اتنا بڑا ملک ان کو فتح کرا دیا جس کا ان سے فتح ہونا عادۃً محال تھا مگر اتنا نہ ہوا کہ حسب وعدہ خلیفۂ برحق کو خلیفہ بنائے جس کی وجہ سے ان کا دین خدا کی مرضی کے مطابق ہوتا اور موت جاہلیت سے وہ نجات پاتے آیاتِ مذکورہ اور دوسری آیتوں میں تو صحابہ کی بڑی بڑی تعریفیں ہیں اون کی نسبت یہ خیال کرنا وہ جاہلیت کی موت مرے اور وہ معاذ اللہ بے ایمان یا ناقص الایمان تھے کس قدر گستاخی ہے اہل انصاف اس آیۂ شریفہ میں اور تفسیر منہاج الصادقین کی عبارت میں اونکے تامل کریں تو معلوم ہو جائیگا کہ خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم

کی خلافت اورامامت برحق تھی اور کل صحابہ کو اپنے امام کی معرفت پوری حاصل تھی اوران کا ایمان کامل تھا کوئی رکن ایمان کا ان سے فوت نہیں ہوا اور جو طریقہ اُنہوں نے اختیار کیا وہ مطابق مرضی الٰہی تھا۔

جب ہم نصوص قطعیہ پر غور کرتے ہیں تو ان میں جتنے وعدہ ہیں بحسب واقعاتِ متفقۂ شیعہ و سنی سب خلفائے ثلثہ اور اون کے متبعین پر صادق آتے ہیں اور وقائع گواہی دے رہے ہیں کہ جتنے تعریفیں اور وعدے نصوص میں وارد ہیں سب انہیں کے حق میں ہیں اگر ان نصوص قطعیہ کے مقابلہ میں کسی نص قطعی میں یہ ہوتا کہ علی کرم اللہ وجہہ سب سے پہلے خلیفہ ہونگے تو البتہ نصوص میں تعارض واقع ہوتا مگر ایسا نہوا۔ اس لئے نصوص قطعیہ کی مخالفت ہرگز درست نہیں ہوسکتی۔

کلینی میں ہے کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے شرائط جہاد و مجاہدین پوچھے گئے آپ نے صحابہ کے اوصاف و فضائل میں جو آیتیں قرآن شریف میں وارد ہیں پڑھیں اور فرمایا کہ اس قسم کے لوگ جہاد کرسکتے ہیں اور اس کے شرائط بیان کئے اس کے بعد پوچھا گیا کہ آیۂ شریفہ اذن للذین یقاتلون باھم ظلموا سے جہاد کی اجازت تو اُنہیں مظلوموں کو دی گئی تھی جو مکہ سے نکالے گئے تھے

پھر قیصر و کسریٰ اور مشرکین عرب سے جو جہاد کیا گیا اس کی کیا وجہ فرمایا

وظلم قیصر وکسری ومن کان دونهم من قبائل العرب

والعجم بما کان فی ایدیهم ما کان المومنون احق

بهم منهم فقد قاتلوهم باذن الله عزوجل و

بحجة هذه الایة یعنے قیصر و کسریٰ اور دوسرے قبائل

عرب و عجم کا یہ ظلم تھا کہ جو ملک ان کے ہاتھ میں تھے ان کے مستحق

اہل ایمان تھے اور وہ ان کو دینا نہیں چاہتے تھے اس لئے اس

آیہ کی دلیل سے باجازت خدائے تعالےٰ صحابہ نے ان سے جہاد

کیا۔ اس سے ثابت ہے کہ خلفائے ثلثہ نے باجازت الٰہی قیصر و

کسریٰ وغیرہ سے جہاد کیا اور کل شرائط ان حضرات میں موجود تھے

اور حدیث شریف من لم یعرف امام زمانه فقد مات

میتة جاهلیة سے بھی مقصود یہی ہے کہ جہاد وغیرہ امور

امام وقت کی رائے سے ہوں جو متمم شرائط جہاد ہے اس سے

ثابت ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ وغیرہ صحابہ جو خلفائے ثلثہ کے

مدد و معاون تھے جانتے تھے کہ وہ اپنے وقت کے امام برحق ہیں

کلینی صفحہ (۱۰۸) میں روایت ہے کہ من اصبح من الامة

من لا امام له ظاهراً فهو ضال اس سے ظاہر ہے کہ امام ظاہر کی اطاعت

ضرورہی چونکہ اس وقت ابوبکرؓ وغیرہ امام ظاہر تھے اس لئے ان کی اطاعت نکرنے کو گمراہی سمجھتے تھے۔

استحقاق خلفائے ثلثہ کی خلافت آیات و احادیث و اجماع صحابہ اور خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اعتراف اور قرائن حالیہ و مقالیہ سے ثابت ہے اور یہ جو خیال کیا جاتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلافت نہ ملنے کی وجہ سے خلفائے ثلثہ سے ناراض اور مخالف رہے سو اس کا کوئی ثبوت نہیں برخلاف اس کے ان حضرات کے ساتھ خلوص و اتحاد متعدد قرائن و روایات سے ثابت ہے۔ اس سے زیادہ کیا ہو کہ عمرؓ کے ساتھ اپنی صاحبزادی کا نکاح کردیا جو باتفاق حضرات شیعہ و اہل سنت ثابت ہے۔

تاریخ الخلفاء میں دار قطنی سے منقول ہے اور نیز تاریخ کامل میں لکھا ہے کہ جب ابوبکرؓ جہاد کی غرض سے سوار ہوکر مدینہ کے باہر ہوئے علی کرم اللہ وجہہ نے آپ کے ناقہ کی مہار پکڑلی اور کہا کہ اے خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کہاں جاتے ہیں! آپ کو میں وہی کہتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے روز آپ سے فرمایا تھا کہ تلوار کو میان کرو اور ہم پر اپنی جدائی کی مصیبت نہ ڈالو اب آپ مدینہ کو واپس چلیں خدا کی قسم اگر آپ کی مفارقت

کا درد والم ہیں ہو یعنے آپ شہید ہو جائیں تو اسلام میں پھر کبھی انتظام نہ ہوگا چنانچہ آپ واپس ہوئے اور لشکر کو روانہ کر دیا۔

یہ تھی علی کرم اللہ وجہہ کی محبت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اور اسلام کی غمخواری کہ اون کا دارالخلافہ سے جدا ہونا گوارا نہ ہوا۔ اور یہ غمخواری اور ہمدردی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی آپ نے اسی قسم کی ہمدردیوں کا اظہار کیا جیسا کہ نہج البلاغہ صفحہ (۱۳۰) میں مذکور ہے

ناسخ التواریخ کی جلد دویم صفحہ (۱۵۷) میں لکھا ہے کہ ابوبکرؓ جب ملک عرب کے انتظام اور مرتدوں کی تنبیہ اور سرکوبی سے فارغ ہوئے۔ اس خیال میں تھے کہ روم پر چڑھائی کی جائے شرجیلؓ ایک روز صبح ہی آئے اور کہا کہ آپ روم کی فتح کا ارادہ کیوں نہیں فرماتے کہا مجھے بھی کئی روز سے اس کا خیال آرہا ہے مگر تم جو اس وقت تحریک کر رہے ہو اس کی کیا وجہ۔ کہا آج کی رات میں نے خواب میں دیکھا کہ آپ ایک پہاڑ پر ہیں اور میں بھی ایک جماعت کے ساتھ حاضر ہوں پھر میں ایک مکان پر چڑھا اور وہاں سے ہموار زمینوں اور شہروں پر جارہا ہوں اور آپ نے اُن کے لوٹنے کا حکم دیا ہے میرے ہاتھ میں اُس وقت ایک سبز علم تھا میں کسی گاؤں پر

گیا وہاں کے لوگوں نے مجھ سے امن طلب کی اور میں نے دی پھر جب
میں وہاں سے آپ کے پاس آیا تو آپ کو ایک حصار میں پایا جس کو
آپ ہی نے فتح کیا تھا آپ وہاں سونے کی کرسی پر تشریف رکھتے ہیں
اور ایک شخص آپ کے پاس سورۂ انا فتحنا پڑھ رہا ہے۔ ابو بکرؓ نے
خواب کی تعبیر دیکر مہاجرین اور انصار کو جمع کیا اور فرمایا کہ خدائے تعالیٰ
کا شکر ہے کہ ہم سب مسلمانوں کو متفق اور ہمارے دلوں کو ایک دوسرے کے
موافق کیا اب میرا خیال ہے کہ روم کی طرف لشکر روانہ کروں اس
باب میں آپ صاحبوں کی کیا رائے ہے۔ عمرؓ نے کہا کہ یہ سب جانتے
ہیں کہ کسی کو آپ پر سبقت نہیں خدائے تعالیٰ کا فضل آپ کی
رفاقت دیگا مناسب ہے کہ لشکر روانہ فرمائیں حق تعالیٰ نے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سے اس ملک اور دوسرے ملک کی فتح کا وعدہ
فرمایا ہے۔ اسی طرح عثمانؓ۔ عبد الرحمان بن عوفؓ۔ طلحہؓ زبیرؓ وغیرہ
کبار صحابہ رضی اللہ عنہم نے تقریریں کیں آپ نے علی کرم اللہ وجہہ
کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا کہ اے ابو الحسن آپ اس باب میں کیا فرماتے
ہیں کہا کہ خواہ آپ بذات خود جائیں یا لشکر بھیجیں آپ کو فتح ہوگی کہا یہ
کس دلیل سے آپ کہتے ہو کہا یہ بات میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم سے سُنی ہے۔ ابو بکرؓ نے یہ حدیث سُنکر فرمایا اے مسلمانو علیؓ

مشورہ و اتفاق صحابہ در فتح روم ابو بکرؓ

حدیث فتح نصرت علیؓ

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے وارث ہیں اُتھے ۔

دیکھئے اس روایت سے جو حضرات شیعہ کے پاس بھی مستند ہے کس وضاحت سے ثابت ہو رہا ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ کو ابوبکر رض کے ساتھ دلی اتفاق اور صفائی تھی کیونکہ جب آپ نے اس بات پر شکر کیا کہ ہم سب کے دل متفق اور موافق ہیں تو علی کرم اللہ وجہہ نے یہ نہیں فرمایا کہ مجھے تمہارے ساتھ اتفاق اور موافقت نہیں ہے اور کیونکر آپ خلاف واقعہ خبر دیتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے آپ میں اور صدیق اکبر اور عمر وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں کمال درجہ کی الفت اور محبت تھی جس کی خبر خود خدائے تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں دی ہے قولہ هو الذی ایدك بنصره وبالمؤمنين والف بين قلوبهم لو انفقت ما فی الارض جميعًا ما الفت بين قلوبهم ولكن الله الف بينهم انه عزيز حكيم یعنے اے نبی خدا ہی نے اپنی نصرت سے اور مسلمانوں سے آپ کی مدد کی خدا نے مسلمانوں کے دلوں میں باہمی اُلفت ڈالدی تمام زمین میں جو کچھ ہے اگر آپ خرچ کرکے ان کے دلوں میں اُلفت ڈالنا چاہتے تو بھی نہیں ہو سکتا لیکن خدا نے ان میں باہمی اُلفت دی یقیناً خدائے تعالیٰ غالب حکمت والا ہے ۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہے واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا واذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا

یعنی اللہ کی رسی یعنے دین کو تم سب مضبوط پکڑے رہو اور متفرق مت ہو اور یاد کرو اللہ کی نعمت کہ جو خاص تم سے متعلق ہے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے خدائے تعالے نے تمہارے دلوں میں باہمی اُلفت ڈالدی اور اس نعمت کی وجہ سے تم آپس میں بھائی بھائی ہو گئے۔ دیکھئے خدائے تعالے کے ارشاد سے ظاہر ہے کہ صحابہ میں پیشتر اس قدر دشمنی تھی اس کے بعد دوستی ہونا محال تھا پھر جب خدائے تعالے نے ان میں اُلفت دی تو اس قدر کہ آپس میں بھائی بھائی ہو گئے۔ اب کہئیے کہ باوجود ایسی معتبر شہادت آلہی کے کیا یہ خیال ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ان کے دلوں میں باہمی کدورتیں تھیں اگر خدائے تعالے کی شہادت کے بعد بھی کوئی کہے کہ ان کبار صحابہ کے دلوں میں باہمی کدورت تھی تو اوسکا جواب نہیں پھر اس محبت کے آثار بھی ظاہر ہیں جو خارج از قیاس ہیں کہ تمام ملک عرب بلکہ تمام دنیا ایک طرف اور یہ چند صحابہ یک طرف اور غلبہ بھی انھیں کا رہا۔ اگر سب یکدل نہوتے تو ممکن نہ تھا کہ اُن سے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد ہو سکتی۔ اسی وجہ سے حق تعالےٰ نے
مدد کے موقع پر اُن کی اُلفت باہمی کا ذکر فرمایا اور دوسرے موقع
میں فرمایا ولاتنازعوا فتفشلوا وتذهب ریحکم یعنے آپس میں
جھگڑے مت کرو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا جاتی رہیگی
اس سے ظاہر ہے کہ اون میں مخالفت اور جھگڑے نہ تھے ورنہ بزدل
ہو جاتے اور ہوا پھر جاتی اور مغلوب ہو جاتے اور ان تمام آیتوں پر
غور کرنے سے صاف ظاہر ہے کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں
جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی تائید ہوئی فی الحقیقت حضرت
ہی کی تائید تھی۔ اس کا اصلی سبب مسلمانوں کی باہمی یکدلی واخوت
اور اتفاق تھا۔ اس وجہ سے تمام ملک عرب کو از سرنو فتح کر لیا اسکے
بعد شام عراق۔ افریقہ جیسے وسیع اور باقاعدہ سلطنتوں کو فتح کر کے
وہاں اسلام کا جھنڈا قائم کر دیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ خدائے تعالےٰ
نے جو الفت اور اخوت باہمی کل صحابہ میں عطا کی تھی۔ اُس وقت
موجود تھی ورنہ بحسب آیۂ شریفہ مسلمانوں کی ہوا بگڑ جاتی اُسوقت تک
کسی قسم کی مخالفت عموماً صحابہ اور خصوصاً کبار صحابہ کے دلوں میں
آئی نہ تھی۔ پھر جب عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مخالفت پیدا ہوئی
تو خلیفہ برحق یعنی امیرالمومنین علی کرم اللہ وجہہ صرف ایک ملک شام بھی

فتح نہو سکا یہ نکبت باہمی مخالفت کی تھی۔ اہل انصاف کو ان قرائن پر غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں آجائیگی کہ جتنی روایتیں علی کرم اللہ وجہہ اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم کے باہمی مخالفت کی بیان کی جاتی ہیں سب ابن سبا کی بنائی ہوئی ہیں جس کا حال انشاء اللہ آئندہ معلوم ہوگا غرضکہ اسی بنا پر ابوبکر رضہ نے آپ کو شوری میں شریک کیا جو لازمہ اتفاق واتحاد ہے جیسا کہ اوپر معلوم ہوا۔ اور آپ نے بھی جو علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سینہ بسینہ پہونچا تھا وقت پر ظاہر فرما دیا کہ خواہ آپ جائیں یا لشکر بھیجیں آپ ہی کی فتح ہے۔ اب کہئے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عام طور پر مجمعوں میں یہ خبر دی تھی کہ کسری اور قیصر کے خزانے مسلمانوں کو غنیمت میں ملیں گے اور خاص طور پر علی کرم اللہ وجہہ کو فرمایا کہ یہ ملک ابوبکر رضہ کے ہاتھ پر فتح ہونگے تو اب آپ کی خلافت میں کونسی کسر رہگئی شاید یہاں یہ کہا جائیگا کہ سپہ سالاری کی حیثیت سے یہ فتوحات ہونگے مگر یہ احتمال علی کرم اللہ وجہہ کے قول سے ثابت نہیں ہو سکتا اس لئے کہ آپ نے صاف بیان کر دیا جس کا حال آئندہ معلوم ہوگا کہ اُن لوگوں نے ابوبکر رضہ کے ہاتھ پر بیعت کی جن کو خلیفہ بنانے کا حق ہے۔

اہل فہم سمجھ سکتے ہیں کہ یہ خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

علی کرم اللہ وجہہ کو کیوں دی تھی اور اس علم سینہ بسینہ کے لئے آپ کی کیا خصوصیت تھی۔ بات یہ ہے کہ خدائے تعالےٰ کو منظور تھا کہ مسئلہ خلافت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں راز سربستہ رہے اور کسی کی دل شکنی نہ ہو کیونکہ اگر حضرت کسی ایک کو اپنے اہل بیت یا رفقا یا جانبازوں میں سے اپنا جانشین مقرر فرماتے تو بہتوں کی دل شکنی ہوتی۔ مثلاً علی کرم اللہ وجہہ کو مقرر فرماتے تو اوروں کو یہ کہنے کا موقع مل جاتا کہ ان تمام جانفشانیوں سے حضرت کا مقصود معاذ اللہ یہی تھا کہ اپنے خاندان میں سلطنت قائم کر جائیں جیسے دنیا داروں کا دستور ہے اگر نبوت آسمانی ہوتی تو دنیا داروں کی طرح اہل خاندان کی خصوصیت نہ ہوتی۔ علی ہذا القیاس جس کو مقرر فرماتے لوگوں کی دل شکنی ضرور ہوتی کیونکہ آدمی کی طبیعت میں حسد اور تعلی کا مادہ رکھا گیا ہے۔ ہر چند فیضانِ صحبت سے صحابہ رذائل نفسانیہ سے دور اور پاک ہو گئے تھے مگر باقتضائے بشریت صفات بشریہ کا کبھی کبھی بعض صحابہ میں دورہ ہو بھی جاتا تھا اسی وجہ سے کسی صحابی کو اہل سنت معصوم نہیں سمجھتے اور اگر اصحابِ نفوس قدسیہ کی دل شکنی نہ بھی ہوتی تو ان کے قرابتدار اور قبیلے والوں کی ہوتی۔ بہر حال آپ کی مروت اور مصلحت کا اقتضا یہی تھا

کہ یہ مسئلہ وفات شریف تک مبہم رہے۔ مگر چونکہ علم الٰہی میں یہ امر طے شدہ تھا کہ ابوبکر رض خلیفہ ہونگے جس کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تھی آپ کو منظور ہوا کہ اُمّت کو بھی اس کی اطلاع رہے چونکہ علی کرم اللہ وجہہ بحسب حدیث شریف امام الاولیا ہیں اور اولیاء اللہ کو اخفاء راز کی خاص طور پر تعلیم دیجاتی ہے اس وجہ سے یا کسی اور وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس علم کے لئے آپ کو مخصوص فرمایا اور آپ نے بھی اُس راز سربستہ کو اُس وقت تک مخفی رکھا کہ اس کے ظاہر کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی کیونکہ اگر اس وقت بھی ظاہر نہ فرماتے تو ممکن تھا کہ قلت اہل اسلام اور کثرت اعدا کی وجہ سے ہمّتیں پست ہوجاتیں۔ غرضکہ علی کرم اللہ وجہہ ابوبکر رض کی خلافت اور اوس کے لوازم یعنے اشاعت اسلام کو جو اِن کے ہاتھ پر ہونے والی تھی بخوبی جانتے تھے اسی وجہ سے آپ نے کبھی دعوے خلافت نہیں کیا ورنہ ممکن نہ تھا کہ آپ اپنے اسلامی حق کو چھوڑ بیٹھتے یا آپ سے مقابلہ کرکے کوئی اس کو چھین سکتا کیونکہ آپ میں ایسے اسباب جمع تھے کہ ان کے مقابلہ میں کسی کا سر ہونا ہرگز قرین قیاس نہیں۔ بہر حال روایت سابقہ سے ثابت ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے معلوم کرادیا تھا

کہ ابوبکرؓ کو ہر موقع میں فتح ہوگی اسی قسم کی یہ روایت بھی ہے جو
ناسخ التواریخ کی جلد دوم صفحہ (۱۰۹) میں ہے کہ جب ابوبکرؓ نے
دیکھا کہ مہاجرین وانصار روم کے مقابلہ کے لئے کافی نہیں سرداران
یمن کے نام احکام بھیجے کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگوں کو شام کی طرف
اس غرض سے روانہ کروں کہ سرکشوں سے اس ملک کو خالی کرالیں
جن کو اسلام کی اشاعت میں کوشش وجانفشانی کا خیال ہو وہ اپنی
خوشی سے یہاں آجائیں یہ احکام انسؓ کو دیکر فرمایا کہ بہت جلد سرداران
یمن کو پہونچاکر ان کے جواب لے آؤ۔ چنانچہ انہوں نے تھوڑے
عرصہ میں واپس آکر کہا کہ سب آنے کو تیار ہیں چنانچہ دوسرے ہی
روز سے قبیلوں کی آمد شروع ہوگئی پہلے قبیلہ حمیر سامان جنگ سے
نہایت آراستہ و پیراستہ ہوکر مع زن و فرزند پہنچا۔ ابوبکرؓ ان کو
دیکھ کر نہایت خوش ہوئے اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم سے سنا ہے کہ جب قبیلہ حمیر اپنے عورتوں اور بچوں کو لیکر آئیں
تو مسلمانوں کو خوشخبری دو کہ خدائے تعالےٰ ان کو فتح دیگا۔ علی کرم اللہ
وجہہ نے بھی اس حدیث کی تصدیق کی اور فرمایا کہ ایسا ہی ارشاد
نبوی ہوا ہے انتہےٰ۔

ہر چند اس میں ابوبکرؓ کی خلافت کا ذکر نہیں مگر نشانی ایسی

بتلائی گئی کہ اس سے آپ کی خلافت ثابت ہوتی ہے اس لئے کہ قبیلۂ حمیر کو کیا ضرورت تھی کہ یمن سے روم کو فتح کرنے جائے جب تک کوئی خلیفۂ وقت ان کو حکم نہ کرے اور دوسرے قبیلوں کی حمایت اور مدد نہ ہو جس کے لئے خلیفۂ وقت کی تائید اور سرپرستی کی اشد ضرورت ہے۔

غرضکہ یہ عظیم الشان کام بغیر خلیفۂ وقت کے ممکن نہیں پھر ان کے اجتماع کو مسلمانوں کے فتح کی علامت قرار دی جس کی وجہ سے ابوبکرؓ خوش ہوئے اور علی کرم اللہ وجہہ نے بھی آپ کی تصدیق کی جب صدیق اکبرؓ کے حکم پر اُن کا آنا اور علیؓ کی تصدیق سے ان کا اجتماع علامتِ فتح ہونا مسلمانوں پر ثابت ہو گیا ہوگا تو ایمانی راہ سے صحابہ کو ابوبکرؓ کی خلافت حقّہ ہونے پر کس قدر وثوق ہوا ہوگا۔ پھر جب اس کا مشاہدہ بھی ہو گیا کہ لاکھوں کے مقابلہ میں تھوڑے تھوڑے صحابہ مظفر و منصور ہوتے گئے تو اس مشاہدے کے بعد صدیق اکبرؓ کی اطاعت خدا و رسول کی اطاعت اور باعث خوشنودی خدا و رسول ہونے میں کس کو کلام ہوگا اسی وجہ سے جس طرح صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر جان دینے کو شہادت اور باعث حیاتِ ابدی سمجھے تھے ابوبکرؓ کے حکم پر بھی یہی سمجھتے تھے۔ دیکھئے باوجودیکہ

آپ کی ابتدائی خلافت یعنے سلاھ سے کبھی آسائش نہ ملی حضرت کے انتقال کے ساتھ تقریباً کل ملک عرب مرتد ہوگیا تھا صرف اہل حرمین مسلمان رہگئے تھے جیسا کہ ناسخ التواریخ کی جلد دوم صفحہ (۱۱۱) میں لکھا ہے اور مسیلمہ کذاب وطلحہ وسجاح وغیرہ مدعیان نبوت ہزاروں کی فوج لیکر مسلمانوں کے مقابلہ میں کھڑے ہوگئے چند مہاجرین و انصار نے جن کی نسبت باشندگان ملک عرب کے ساتھ عشر عشیر کی بھی نہیں ان سرکشوں اور ہر ایک قبیلے کے ساتھ نہایت سرگرمی سے مقابلہ کیا اور سب کو ہزیمت دیکر از سر نو تمام ملک عرب پر قبضہ کیا جس میں تقریباً دو سال شبانہ روز آتش حرب مشتعل رہی اس سے ہنوز نہ فراغت نہیں ہوئی تھی کہ صدیق اکبر رض نے حکم دیدیا کہ ملک عراق پر چڑہائی کی جائے اور اس کے ساتھ ہی ملک شام اور روم پر فوج کشی کے لئے آمادہ ہوگئے۔ اس وقت کسی نے بھی نہ کہا کہ حضرت جنگ عرب سے اب تک ہمارے زخم بھی چنگے نہیں ہوئے کہ آپ ایسی سلطنتوں کے مقابلہ میں ہمیں بھیجتے ہو کہ ہمکو ان کے ساتھ کسی بات میں کوئی مناسبت نہیں۔ ان کے افواج قاہرہ کے مقابلہ میں ہمارا لشکر عشر عشیر بھی نہیں ان کی طرف سامان حرب ضرورت سے زیادہ ہے ادھر بے سامانی انتہا کی حق تعالے فرماتا ہے واعدوا لهم

ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترھبون
بہ عدو اللہ وعدوکم یعنے اے مسلمانو جہانتک تم سے
ہوسکے سامان جنگ اور گھوڑے تیار کر رکھو جس سے تمہارا خوف کفار
کو ہو" بجائے اس کے کہ ہمارا خوف اون پر طاری ہو ہم یہ وہ نہیں گے
پھر خدائے تعالیٰ نے ہم لوگوں پر رحم کرکے فرمایا الآن خفف اللہ
علیکم وعلم ان فیکم ضعفا فان یکن منکم مائۃ
صابرۃ یغلبوا مائتین یعنے دو کے مقابلہ میں ایک لڑ سکتا ہے
اور آپ ایک کو سو کے مقابلہ میں بھیجنا چاہتے ہیں جو بالکل قرآن کے
خلاف ہے۔ غرضکہ خلیفۂ وقت کے حکم کو وہ خدا و رسول کا حکم سمجھے تھے
اگر ذرا بھی آپ کی خلافت میں شک ہوتا تو اس خطر جان کے موقعہ
میں ہرگز حکم نہ مانتے اور مذکورہ نصوص قطعیہ پیش کرکے پہلو تہی کر لیتے
اور علی کرم اللہ وجہہ اگر آپ کی خلافت کو حق نہ سمجھتے تو ضرور فرماتے کہ
خلیفۂ ناجائز کے حکم پر جان دینی ہرگز جائز نہیں اگر برملا کہنے میں تامّل تھا
تو کم سے کم اپنے احباب کو تو کسی طرح روک لیتے حالانکہ جو حضرات آپکے
جان نثار سمجھے جاتے ہیں وہ بھی ان معرکوں میں شریک تھے۔ بہرحال
صحابہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین
سمجھتے اور نہایت تعظیم کرتے تھے چنانچہ ناسخ التواریخ کی جلد دوم

صفحہ (۱۶۰) میں لکھا ہے کہ جب ابو بکر رضہ نے یزید ابن ابی سفیان کو ایک ہزار لشکر کا افسر بنا کر شام کو بھیجا اور وہ سب سوار ہو کر روانہ ہوئے تو آپ انکی مشایعت کی غرض سے پیادہ پا ساتھ ساتھ چلنے لگے انہوں نے کہا حضرت ہم لوگ خدا کے غضب سے ڈرتے ہیں یا تو آپ بھی سوار ہو جائیں یا ہمیں پیادہ ہونے کی اجازت دیں آپ نے فرمایا میں خدا کی راہ میں چل رہا ہوں انتہےٰ۔ دیکھئے ان حضرات کا کیسا قوی اعتقاد تھا کہ ادنےٰ سی بے ادبی کو بھی باعث غضب الٰہی سمجھتے تھے اور ابو بکر رضہ کی کس قدر قوت تھی کہ ان کے پیادہ پا چلنے میں سواروں نے غضب الٰہی کا خیال کر لیا تھا جس طرح ابو بکر رضہ کے ساتھ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلوص تھا اسی طرح حضرت عمر رضہ کے ساتھ بھی تھا جیسا کہ واقعات ذیل سے ثابت ہے

ناسخ التواریخ کی جلد دوم صفحہ (۲۷۰) میں لکھا ہے کہ جب مسلمانوں نے حمص تک فتح کر لیا اور بڑے بڑے نامی افسروں کو قتل کیا تو ہرقل نے چاہا کہ سلطنت کی پوری قوت عرب کے مقابلہ میں صرف کرے چنانچہ اپنے ملک کے پانچ بادشاہوں کو بلا کر آٹھ لاکھ ساٹھ ہزار فوج ان کے ماتحتی میں دی اور نہایت عار دلا کر مسلمانوں کے مقابلہ میں روانہ کیا۔ اور اسلامی فوج وہی شکستہ حال زخمی جو روزانہ جنگ کرتی ہوئی قدم بڑھائے جاتی تھی کل تخمیناً تیس ہزار کی تھی ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے

کمال پریشانی سے حالت موجودہ کو لکھکر خلیفہ وقت عمرؓ سے کمکی فوج کی درخواست کی جب ان کا خط پڑھا گیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ اس کے بعد صحابہ سے خطاب کر کے کہا اس موقع میں آپ صاحبوں کی کیا رائے ہے اگر کہئے تو میں خود مسلمانوں کو لے کر ان کی مدد کو جاؤں علیؓ نے فرمایا کہ خدائے تعالے نے مسلمانوں کی حفاظت اور اون کی فتح کا کفیل ہوگیا ہے آپ کا جانا مناسب نہیں۔

نہج البلاغہ صفحہ (۱۲۰) میں مذکور ہے کہ جب عمرؓ نے روم کے مجاہدین کے ہمراہ اپنی ذات سے جانا چاہا تو علیؓ نے کہا انک متی تسر الی ھذا العدو بنفسک فتلقھم فتنکب لاتکن للمسلمین کانفۃ دون اقصی بلادھم لیس بعدک مرجع یرجعون الیہ فابعث الیھم رجلا مجربا واحفز معہ اھل البلاء والنصیحۃ فان اظھر اللہ فذاک ما تحب وان تکن الاخری کنت ردء اللناس ومثابۃ للمسلمین یعنے اگر آپ اپنی ذات سے کفار کی طرف جائیں اور خدانخواستہ آپ کو ہزیمت ہو تو پھر آپ سے مسلمانوں کا بچاؤ مشکل ہے اور آپ کے بعد انکا مرجع نہوگا جس کی طرف وہ رجوع کریں اس لئے کسی تجربہ کار شخص کو روانہ کیجئے اگر اس کو فتح اور غلبہ ہوا تو آپ کا مقصود برآیا ورنہ

آپ اون کی مدد کروگے اور ملجا و ماوی ہونگے۔

دیکھئے اس سے کیسی محبت اور خیر خواہی آپ کی ظاہر ہوتی ہے اگر معاذ اللہ آپ کے دل میں ذرہ برابر بھی کدورت ہوتی تو عمرؓ کو روانہ کر دینے کا اچھا موقع تھا کیونکہ ان کا بھی خیال جانے پر آگیا تھا آپ کا کلام پر کمال اقتدار اور فصاحت و بلاغت بل اظہر من الشمس ہے اکا توجیہ ایسی بیان کر دیتے کہ عمرؓ کا وہ خیال مستحکم ہو جاتا عقلا ایسے مواقع میں رائے دیکر اپنے کام نکالا کرتے ہیں چنانچہ ناسخ التواریخ میں لکھا ہے کہ یکبار علی کرم اللہ وجہہ معاویہؓ کی فوج کو چیرتے پھاڑتے ان کے خیمہ تک پہونچ گئے اور بآواز بلند فرمایا کہ اے معاویہ بہتر یہ ہوگا کہ ہم تم اپنی ذاتوں سے مقابلہ اور معرکہ آزمائی کرلیں جو غالب ہو اسی کی فتح سمجھی جائے۔ معاویہؓ یہ سنکر چپ ہو گئے۔ عمرو ابن عاصؓ نے کہا اے معاویہ علیؑ بات تو ٹھیک کہتے ہیں۔ انھوں نے کہا میں جانتا ہوں کہ تم چاہتے ہو ان کے مقابلہ میں میرا خاتمہ ہو جائے تعجب نہیں کہ عمرو بن عاصؓ کو اس رائے سے وہی مقصود ہو جو معاویہؓ نے خیال کیا تھا غرضکہ علی کرم اللہ وجہہ کو رائے دینے کا اچھا موقع مل گیا تھا کہ عمر رضی اللہ عنہ کو دار السلطنت سے روانہ کرکے کوئی کارروائی کرتے مگر ان کو اس کا خیال ہی نہ تھا اس لئے سچی خیر خواہی اور کمال خلوص سے یہ رائے دی کہ آپ کا جانا مناسب نہیں

اس سے اہل انصاف پر منکشف ہو سکتا ہے کہ ان حضرات میں خلوص تھا یا مخالفت۔

ناسخ التواریخ کی جلد دوم میں لکھا ہے کہ جب مسلمانوں نے لشکر عجم کو ہزیمت دیکر ایک حصّہ ملک پر قبضہ کر لیا اور بڑے بڑے سردار اُن کے مارے گئے اور بہت سی غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آئی تو یزدگرد کو اسکا سخت صدمہ ہوا اور تیس ہزار کا لشکر جن کے ساتھ تیس جنگی ہاتھی تھے میدان کارزار میں بھیجا اور ایسی سخت لڑائی ہوئی کہ مسلمانوں کو ہزیمت ہوگئی اور مثنے ابن حارثہ جو لشکر اسلام کے سپہ سالار تھے ان کے ساتھ صرف تین ہزار آدمی رہگئے انہوں نے عمرؓ سے کمک طلب کی آپنے جریر بن عبداللہ بجلی کو مع لشکر مناسب روانہ کیا ان دونوں سپہ سالاروں یعنے مثنی اور جریر میں ناچاقی ہوگئی۔ مثنی کہتے تھے کہ میں سابق سے سپہ سالار ہوں تم کو میری اطاعت چاہیئے۔ جریر کہتے تھے کہ مجھے خلیفۂ وقت نے مستقل طور پر روانہ کیا ہے میں تمہاری اطاعت نکرونگا یہ مخالفت بہت کچھ طول کھینچی۔ جب عمرؓ کو اس کی خبر ہوئی اور دیکھا کہ مخالفت باہمی کا انجام بُرا ہے صحابہ سے مشورت کی سب نے کہا کہ اس وقت آپ ہی کا وہاں جانا مناسب ہے مگر علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا یہ رائے قرین صواب نہیں مناسب ہے کہ قدیم مہاجرین

میں سے یا اُن انصار میں سے جو جنگ بدر میں شریک تھے کسی کو منتخب فرما کر سپہ سالار مقرر کیجئے عمرؓ نے کہا آپ ہی انتخاب کیجئے آپ نے کہا سعد بن ابی وقاص اس کام کے لئے مناسب ہیں چنانچہ انہیں کو آپ نے سپہ سالار بنا کر روانہ کیا اور سب کا اتفاق ہو گیا انتہیٰ۔

دیکھئے اس موقع میں بھی کل صحابہ کی رائے تھی کہ عمرؓ اپنی ذات سے جائیں مگر علی کرم اللہ وجہہ کو آپ کی تکلیف گوارا نہ ہوئی اور رائے تدبیر بتائی کہ مقصود حاصل ہو گیا۔ اہل انصاف سمجھ سکتے ہیں کہ یہ قرائن مخالفت کے ہیں یا اتحاد کے۔

ناسخ التواریخ جلد دویم صفحہ (۳۰۶) میں لکھا ہے کہ جب یرموک فتح ہوا جہاں ایک لاکھ یا پنج ہزار کفار مارے گئے اور چالیس ہزار زندہ گرفتار ہوئے اور کفار کے حوصلے پست ہو گئے ابو عبیدہ ابن جراح نے سرداران لشکر سے مشورہ کیا کہ اب قیساریہ پر چڑھائی کی جائے یا بیت المقدس پر رائے یہ قرار پائی کہ عمرؓ اس باب میں جو حکم کریں اس کی تعمیل کی جائے چنانچہ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو لکھا آپ نے یہ مسئلہ شوریٰ میں پیش کیا۔ علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ بیت المقدس کو لشکر روانہ کیجئے اس کے بعد قیساریہ بھی فتح ہو جائیگا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر مجھے دی ہے عمرؓ نے

فتح بیت المقدس

علی رضی اللہ عنہ کی رائے اور حدیث کو لکھ کر یہ حکم لکھا کہ بیت المقدس کا ارادہ کرو انشاء اللہ تعالےٰ فتح ہو جاوے گی انتہیٰ۔

اس قسم کی صدہا روایتوں سے ثابت ہے کہ آئندہ ہونے والے واقعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر تھے اور جن کو جو مناسب تھا ان کو خبر دی۔ علی رضؓ نے عمر رضؓ سے جو کہا کہ بیت المقدس کو لشکر روانہ کیجئے اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ تم لشکر روانہ کرو جس سے آپ کی خلافت ثابت ہوتی اسی وجہ سے آپ نے خلفاء کے احکام میں دست اندازی نہیں کی صرف رائے دیتے یا کوئی حدیث معلوم ہوتی تو نہایت خلوص سے بیان فرما دیتے۔

ناسخ التواریخ جلد دوم صفحہ (۳۰۹) میں لکھا ہے کہ جب قتال و جدال کے بعد بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا گیا تو کفار نے کہا کہ جبتک خلیفۂ وقت عمر رضؓ یہاں آکر بذات خود ہم سے معاہدہ نہ کریں۔ ہم قلعہ خالی نہ کرینگے۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ بغیر خونریزی کے فتح ہو جاتی ہے اس لئے عمر رضؓ کو ان کی درخواست پر مطلع کیا آپ نے صحابہ سے اس باب میں مشورت کی عثمان رضؓ نے کہا کہ آپ کے جانے میں کفار کو نخوت پیدا ہو گی اور نہ جانے میں جس طرح دوسرے ملک اور

قلعے فتح ہوئے وہ بھی فتح ہو جائے گا جانے کی کوئی ضرورت نہیں ۔ علی
کرم اللہ وجہہ نے کہا کہ کفار نے لڑائی سے ہاتھ روک کر جو آپ کو طلب
کیا ہے یہ فتح کی علامت ہے اگر آپ جاتے ہیں تو توقف کریں تو صلح میں
تاخیر ہوگی اور تعجب نہیں کہ بہت خونریزی ہو ۔ عمر رض نے آپ ہی کی رائے
کو پسند کیا اور روانہ ہو گئے انتہیٰ ۔

ہر چند آپ کی یہ رائے اُن رایوں کے خلاف میں تھی جو آپ ہمیشہ
دیا کرتے تھے مگر چونکہ آپ کا صدق اور خیر خواہی مسلّم تھی اس لئے عمر رض
نے آپ ہی کی رائے پر عمل کیا ۔

ان قرائن سے یہ بات ثابت ہے کہ ان حضرات میں باہمی ملال کا جو
خیال کیا جاتا ہے وہ بے اصل محض ہے ۔

ناسخ التواریخ جلد دوم صفحہ (۳۱۲) میں ہے کہ عمر رض نے سنہ ۱۷ھ میں
یزید ابن سفیان کے ہمراہ چھ ہزار کا لشکر دیکر قیساریہ پر بھیجا قسطنطین ہرقل کا
بیٹا جو وہاں رہتا تھا فوج اسلام کی آمد دیکھ کر اپنے باپ سے مدد طلب کی
باوجودیکہ خود اس کے پاس اسّی ہزار کا لشکر قیساریہ میں موجود تھا ۔ ہرقل نے
بیس ہزار فوج جرار مع غلّہ وغیرہ بھیجا جس سے ایک لاکھ فوج کفار قیساریہ
میں جمع ہو گئی ۔ یزید رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کو حالت موجودہ کی
خبر دیکر کمک کی درخواست کی جب ان کا نامہ پڑھا گیا ۔ علی کرم اللہ وجہہ

نے فرمایا قیساریہ عنقریب انشاء اللہ تعالیٰ فتح ہو جائیگا عمر رض نے صرف تین ہزار فوج کا اضافہ کیا اور اسی سے قیساریہ کو مسلمانوں نے فتح کر لیا انتہیٰ۔

علی کرم اللہ وجہہ نے خواہ کشف سے معلوم کیا ہو یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اطلاع آپ کو دی ہو بہر حال فکر کے وقت تسکین دینی کمال محبت کی دلیل ہے اور عمر رض نے بھی اسی اطمینان پر صرف تین ہزار فوج کا اضافہ کیا ورنہ کہاں لاکھ لشکر تازہ دم محفوظ مقامات میں اور کہاں نو ہزار شکستہ حال کیونکہ یہ وہی لشکر ہے جو لاکھوں کا مقابلہ کرتا ہوا یہاں تک پہونچا تھا۔ معلوم نہیں اس میں زخمی اور تھکے ہوئے کتنے ہونگے

ناسخ التواریخ جلد دوم صفحہ (۵۳۹) میں لکھا ہے کہ جب سعد بن ابی وقاص کے ہاتھ پر بہت سا ملک عجم فتح ہوا تمام عجم پر ایک رعب چھا گیا تھا۔ پھر جب کسی واقعہ میں عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو حکومت سے معزول کیا اور یہ خبر یزدگرد بن شہریار کو پہونچی تو اوس کا حوصلہ بڑھ گیا اور خیال کیا کہ اب مسلمانوں کا مقابلہ آسان ہے اس لئے ملک کے افسروں کو افواج فراہم کرنے کا حکم دیا اور قسم کھالی کہ جب تک تمام عرب کو تباہ کر کے بادشاہ اسلام کو گرفتار نہ کر لوں جنگ سے باز نہ آؤنگا چنانچہ ڈیڑھ لاکھ فوج اور ستر سے زیادہ ہاتھی نہاوند میں جمع کئے عمار بن یاسر جو

اس وقت حاکم کوفہ تھے اونہوں نے عمر رضی اللہ عنہ کو ان واقعات کی خبر
دی عمرؓ نے صحابہ سے مشورہ کیا ہر ایک نے اپنی رائے ظاہر کی عثمان
رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس وقت آپ مسلمانوں کو لیکر کوفہ میں اقامت
فرما دیں تو بہتر ہوگا۔ عمرؓ نے علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا کہ آپ کی کیا رائے
ہے فرمایا کہ ہمارے دین کے معاملہ کو فوج کی قلت و کثرت سے کوئی
تعلق نہیں یہ اللہ کا دین ہے جس کو اس نے ظاہر اور غالب کیا اور یہ
خدائے تعالےٰ کا لشکر ہے جسکو اس نے جمع کرکے اس کی مدد کی چنانچہ
جہانتک یہ پہنچا ہے ظاہر ہے۔ ہماری نظر اوس کے وعدہ پر ہے وہ
بیشک اپنا وعدہ پورا اور اپنے لشکر کی مدد فرمائیگا۔ قیم یعنے امیر کی
مثال ایسی ہے جیسے موتیوں کی لڑی کی گرہ کہ اگر وہ کھل جائے تو سب
دانے متفرق ہو جاتے ہیں جن کا پھر جمع ہونا مشکل ہے۔ اگرچہ عرب
آج کے دن گنتی میں کم ہیں مگر اسلام اور اتفاق کی وجہ سے بہت ہیں
آپ قطب بنے رہیئے جس طرح کہ چکی کیلے کے اطراف گھومتی ہے
اسی طرح اس چکی کو آپ اپنے اطراف گھمائیے۔ اگر آپ مدینہ سے نکلیں تو
عرب ہر طرف سے ٹوٹ پڑیں گے جس کا انتظام دشوار ہوگا اور عجم
آپ کی تاک میں لگے رہیں گے اور یہ خیال کریں گے کہ آپ اصل
عرب ہیں آپ پر غلبہ ہوتے ہی بیفکری ہو جائے گی۔ اور یہ جو خیال

کیا جاتا ہے کہ وہ مسلمانوں پر چڑھائی کرینگے سو یہ نہوگا کیونکہ جس طرح آپ اس بات کو مکروہ سمجھتے ہیں۔ خدائے تعالےٰ اس سے زیادہ مکروہ سمجھتا ہے رہا یہ کہ ان کی فوج بہت ہے سو ہماری لڑائیاں اور فتوحات جتنے ہوئے انمیں فوج کی کونسی کثرت تھی سوائے اس کے کہ صرف خدائے تعالےٰ کی مدد تھی انتہےٰ۔ علی کرم اللہ وجہہ نے جو اس موقع میں تقریر کی۔ نہج البلاغہ صفحہ (۱۳۶) میں بھی منقول ہے جس کی عبارت یہ ہے ان هذا الامر لم یکن نصره ولا خذلانه بکثرة ولا قلة وهو دین الله الذی اظهره وجنده اعده وامده حتی بلغ ما بلغ وطلع حیثما طلع ونحن علی موعود من الله والله منجز وعده وناصر جنده ومکان القیم بالامر مکان النظام من الخرز یجمعه ویضمه فاذا انقطع النظام تفرق الخرز وذهب ثم لم یجتمع بحذافیره ابدا والعرب الیوم وان کانوا قلیلا فهم کثیرون بالاسلام عزیزون بالاجتماع فکن قطبا واستدر الرحی بالعرب واصلهم دونك نار الحرب فانك ان شخصت من هذه الارض انتقضت علیك العرب من اطرافها و اقطارها حتی یکون ما تدع وراءك من العورات اهم

الیك ممّا بین یدیك۔ انتہے۔ دیکھیے کس صفائی اور خلوص سے
آپ نے عمرؓ کو قیّم قرار دیا جس کے معنے سید اور سیاست کرنے والے
کے ہیں جیسا کہ لسان العرب میں لکھا ہے۔ اور حدیث شریف میں ہے
ما افلح قوم قیّمتهم امراة یعنے جس قوم کی سردار عورت ہو ان کو
فلاح نہیں اور قیّم شوہر کو بھی کہتے ہیں اسی وجہ سے کہ عورت کا حاکم و
فرمانروا ہے اگر علی کرم اللہ وجہہ کے دل میں کسی قسم کا غبار اور عمرؓ کی
خلافت سے انکار ہوتا تو اس موقع میں ان الفاظ کو استعمال کرنے کی
کوئی ضرورت نہ تھی اگر سچی خیر خواہانہ رائے دینے کی ضرورت تھی تو صرف
اتنا ہی فرما دینا کافی تھا کہ ہماری رائے تو یہ ہے کہ آپ مدینہ سے باہر
نہ جائیں اسی مقام میں ناسخ التواریخ میں لکھا ہے کہ علی علیہ السلام بعقیدت
شیعی اگرچہ خلافت عمرؓ را از در غصب میدانست لیکن در کارہا و لشکرکشیہا
او را رعایت می فرمود و رائے نیکو میزد چہ غلبہ لشکر اسلام ازیں کم نبود
کہ کافران بوحدانیت خدا و نبوت پیغمبر اقرار میدادند و راہ بکوچہ سلامت
نزدیک میکردند انتہے۔
مطلب یہ کہ علی کرم اللہ وجہہ عمرؓ کو غاصب خلافت تو جانتے
تھے مگر اس خیال سے کہ غلبۂ اسلام باعث اشاعت توحید و نبوت ہی
عمدہ رائیں دیا کرتے تھے۔ فی الحقیقت اشاعت توحید و اسلام ایک عمدہ

چیز ہے اس کے مقابلہ میں خلافت کا جھگڑا کوئی چیز نہیں مگر جس طرح آپ
عمرؓ کی حکومت کو تسلیم کر کے نیک رائیں دیا کرتے تھے معاویہؓ کے وقت
ایسا نہیں کیا حالانکہ انکا بھی مقصود ظاہر اشاعت اسلام ہی تھا کیونکہ
کل کتب تواریخ بلکہ خود ناسخ التواریخ سے ثابت ہے کہ فتوحات شام کے
وقت وہ لشکر اسلام میں شریک تھے اور ان کے زمانے میں بھی فتوحات
ہوئے اگر علی کرم اللہ وجہہ اون سے فرما دیتے کہ جس طرح میں عمرؓ کو اشاعت
اسلام کے باب میں نیک رائیں دیا کرتا تھا تمہیں بھی دونگا تو وہ بسر و چشم
قبول کرتے اور کبھی جنگ و جدال کی نوبت ہی نہ آتی مگر یہ ممکن نہ تھا کیونکہ
علی کرم اللہ وجہہ جہاں اشاعت اسلام کو ضروری سمجھتے تھے خلیفۂ وقت
کی اہلیت کو بھی ضروری سمجھتے تھے جس کے ذریعہ سے اشاعت اسلام
ہو اسی وجہ سے اشاعت اسلام کو آپ نے کئی سال موقوف رکھا۔ اور
خلافت حقہ کے قائم کرنے میں مصروف رہے۔

علی کرم اللہ وجہہ کی شجاعت اور راستبازی اس درجہ کی تھی کہ
دینی کاموں میں کسی خیال کا اثر آپ پر نہیں پڑتا تھا اور نہ کبھی پولٹیکل خیالات
آپ کے نزدیک آنے پاتے تھے۔ دیکھئے خلافت کے ساتھ ہی آپ نے
عثمانؓ کے قرابتداروں کو جو حکومت کی اہلیت نہیں رکھتے تھے معزول
کرنا شروع کر دیا حالانکہ آپ کے خیرخواہوں نے اس باب میں بہت کچھ

کلام کیا مگر آپ نے کسی کی نہ مانی مغیرہ بن شعبہ نے بہت کچھ کہا کہ حضرت
اس وقت معاویہ رض کو چھیڑنا مناسب نہیں اگر بالفعل ان کو شام پر
بحال رکھیں تو پھر قرابت داران عثمان رض سے کچھ خوف نہیں آپ نے
فرمایا خلاف شریعت میں کوئی کام نہ کرونگا جب تک وہ بیعت نہ کریں
ان کو نہ چھوڑونگا اس قسم کے اور بہت سے واقعات ناسخ التواریخ وغیرہ
میں مذکور ہیں جن سے صاف ظاہر ہے کہ جو کچھ آپ کے دل میں ہوتا اسکو
علانیہ فرمادیتے کسی کے خوف سے چھپاتے نہ تھے غرضکہ آپ نے عمر رض
کو جو تیمم وغیرہ کہا وہ آپ کی دلی بات تھی تصنع اور تقیہ وغیرہ کو اسمیں
کوئی دخل نہ تھا۔ اور عمر رض نے بھی آپ ہی کی رائے پسند کی اس کے
بعد پوچھا کہ جو لشکر روانہ کیا جائے اس کی امارت کس کو دینا چاہیئے
فرمایا کہ نعمان مزنی اس کے لائق ہیں آپ نے اونہیں کو سپہ سالار مقرر
فرمایا۔ اہل انصاف سمجھ سکتے ہیں کہ ان معاملات سے کس قدر باہمی اخلاص
اور ارتباط ثابت ہوتا ہے۔

ناسخ التواریخ کی جلد دوم صفحہ (۲۲۴) میں لکھا ہے کہ جب
ابو موسیٰ اشعری رض نے ملک فارس کو فتح کیا اور غنیمت وغیرہ تقسیم
کرکے عمر رض کو لکھا کہ اب خراسان پر چڑھائی کرنے کی اجازت ہو تو مناسب
ہے عمر رض نے لکھا ہے کہ جو ملک فتح ہوا ہے اسکا ہم شکر کرتے ہیں

اسی کا انتظام اچھی طرح رکھو خراسان کی طرف بڑھنے کا خیال دل سے نکالدو اور خود بصرے کو چلے آؤ علی کرم اللہ وجہہ نے کہا آپ یہ کیا لکھ رہے ہیں کہا خراسان ہم سے بہت دور ہے اور وہاں کے لوگ خونریز اور عہد شکن ہیں اس لئے میں وہانکا قصد مناسب نہیں سمجھتا۔ علی کرم اللہ وجہہ نے اس ملک کی تعریف کی اور وہاں کے جو وقائع پیش ہونیوالے تھے بیان کر کے اس پر چڑہائی کرنے کی رغبت دلائی چنانچہ اسی بنا پر عمر رضہ نے احنف ابن قیس کو بارہ ہزار کا لشکر دیکر روانہ فرمایا انتہے۔

کیا بغیر خلوص کے اس قسم کی رائیں دینا قرین قیاس ہے۔

ناسخ التواریخ کی جلد دوم صفحہ (۲۵۲) میں لکھا ہے کہ ۱۷ھ میں عمر رضہ نے جب بلاد عجم کی جنگ سے ہاتھ روکنے کا حکم دیا تو ابو عبیدہ ابن الجراح نے آپ کو لکھا کہ اس مدت میں جو جنگ سے مہلت ملی اور سپاہی آسودہ ہو گئے اور شراب نہایت رغبت اور شوق سے پینے لگے اس باب میں کیا حکم ہے عمر رضہ نے علی کرم اللہ وجہہ سے کہا کہ مسلمان شراب سے احتراز نہیں کرتے اور جو حد اس کی مقرر ہے اس کی انہیں کچھ پروا نہیں اس باب میں آپ کی کیا رائے ہے۔ آپنے فرمایا ان السکران اذا سکر ھذی واذا ھذی افتری واذا افتری فعلیہ ثمانون یعنے جب نشہ اثر کرتی ہے

تو آدمی بیہودہ بکنے لگتا ہے اور جب بیہودہ بکتا ہے تو اس میں افترا کی بھی نوبت پہنچ جاتی ہے اور مفتری کی حد اسّی درّے ہیں اس لئے شرب خمر کی بھی حد اسّی درے مقرر کرنا مناسب ہوگا چنانچہ عمرؓ نے ان کے جواب میں لکھا کہ اس خط کے پہنچنے کے بعد جو شخص شراب پیوے اسکو اسّی درّے مارے جائیں اور ایسے لوگوں کو فقر و فاقہ میں مبتلا رکھو۔ ابو عبیدہؓ نے جب مسلمانوں کو یہ حکم سنایا اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی حکم دیا کہ اب حلب پر چڑہائی ہے اس کے بعد انطاکیہ کا قصد کیا جائیگا۔ جہاں خود ہرقل رہتا ہے۔ مسلمانوں نے یہ سب سنکر نہایت خوشی سے کہا کہ ہم ہر بات میں اطاعت کرنے کو موجود ہیں انتہے۔

یہاں مسلمانوں کی انقیاد اور فرمان برداری پر غور کرنا چاہیئے کہ عمرؓ نے حد شراب اسّی درّے مارنے کو لکھا اور کسی نے یہ نہ کہا کہ آخر ہم بھی قرآن پڑہتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی صحبت میں رہ چکے ہیں نہ کہیں قرآن میں حد شراب اسّی درّے ہے نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مقرر فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی اتفاقی طور پر ایسے واقعات ہوجاتے تھے مگر اسّی درّے کبھی حضرت نے نہیں مارے۔ بات یہ ہے کہ ان حضرات کا ایمان

کامل تھا گو بمقتضائے بشریت کبھی قوائے طبعی غالب ہو جاتے تھے
مگر اس حالت کے بعد جب آیۃ شریفہ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول
واولی الامر منکم کا خیال آجاتا تو سوائے اطاعت کے دوسرا
خیال نہ آتا عمل کو چھوڑ کے چون چرا کرنا اور باتیں بنانی ضعف ایمان
کی دلیل ہے اس لئے وہ اطاعت میں سرگرم رہے۔ پھر عمرؓ
کو ان کے ایمان پر کس قدر وثوق تھا کہ بلا تامل علی کرم اللہ وجہہ کی
رائے لکھدی اور یہ خیال بھی نہیں کیا کہ ایسی نازک حالت میں کہ
کفار کے ملک میں گھرے ہوئے ہیں اور مقابلہ ایسے سلاطین سے
ہے جن کی شان وشوکت قوت اور تمول تمام دنیا میں مشہور رہے
خصوصاً عرب تو قدیم سے انکا کلمہ پڑہتا تھا ایسے موقع میں صرف
حد شرب ہی میں زیادتی نہیں بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی حکم لکھدیا کہ
کہ ان لوگوں کو فقر و فاقہ میں رکھو جس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کے
پاس مال زیادہ ہو گیا ہے وہ چھین لیا جائے۔ ان کی جانفشانیوں
کے صلہ میں قدر ہوئی سو یہ ہوئی کہ مر مر کے جو مال غنیمت حاصل
کیا تھا وہ بھی چھن جارہا ہے اور استحقاق شرعی بھی بالائے طاق
ہے اتنا ہونے پر بھی ان حضرات کے لب پر حرف شکایت نہیں
بلکہ نہایت خوشی سے جان دینے کو چلے جارہے ہیں۔ سبحان اللہ

یہ اونہیں کے نفوس قدسیہ تھے جو دینی امور میں کیسی ہی سختی کی جائے ملال تک نہیں آتا تھا ۔

یہاں تھوڑے سے غور و تامل کی ضرورت ہے کہ جس قوم کے شرابیوں کی یہ حالت ہو تو اس قوم کے متقی لوگوں کا کیا حال ہوگا اب کہئیے کہ ہم سے یہ جرأت کیونکر ہو سکے کہ علی کرم اللہ وجہہ کی نسبت یہ خیال کریں کہ خلفائے ثلثہ سے ان کو بغض تھا اور جس طرح معمولی لوگ برتاؤ کیا کرتے ہیں معاذ اللہ آپ بھی کیا کرتے تھے اولیاء اللہ کا مقولہ ہے ۔ **شعر**

کفر است در طریقت ما کینہ داشتن		آئین ماست سینہ چو آئینہ داشتن

آپ تو امام الاولیا ہیں آپ کی نسبت یہ کیونکر خیال ہو سکے ۔

امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ بڑے بڑے معاملات میں شوریٰ کر لیا کرتے تھے کیونکہ حق تعالیٰ نے مسلمانوں کی تعریف میں فرمایا ہے والذین استجابوا لربھم واقاموا الصلوٰۃ وامرھم شوریٰ بینھم یعنے مسلمانوں کے کام باہمی مشورت سے ہوا کرتے ہیں اور خاص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہے کہ شاورھم یعنے صحابہ سے مشورت کیا کیجئے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو علوم لدنی حاصل تھے صحابہ کو کہاں نصیب باوجود اس کے آپ کو ان سے شوریٰ

کرنے کا حکم تھا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ جس سے رائے لیجاتی ہے
اسکو خاص قسم کی موافقت اور انس پیدا ہوتا ہے حق تعالےٰ نے
جو آیۂ موصوفہ میں مسلمانوں کی تعریف کی کہ وہ شوریٰ سے کام کیا
کرتے ہیں اس سے ظاہر ہے کہ ہر شخص کو خیر خواہانہ رائے دینے
کا حکم ہے چنانچہ صحیح حدیث میں وارد ہے الدین النصیحہ
یعنے کامل دین خیر خواہی ہے۔ غرضکہ آیۂ موصوفہ میں مسلمانوں کا باہمی
اتحاد اور موافقت بیان کی گئی اس اتحاد اور موافقت کا یہ نتیجہ ہوتا ہے
کہ اگر کسی سے رائے میں غلطی بھی ہو جائے تو دوسرا اوس کی اصلاح
کر دیتا ہے چنانچہ عمرؓ نے ایک بار کسی زانیہ کو رجم کرنے کا حکم دیا
اتفاقاً وہ حاملہ تھی علی کرم اللہ وجہہ نے فوراً کہدیا کہ یہ حاملہ ہے اگر
اس وقت اس کو رجم کیا جائے تو بچہ بے قصور ضائع ہو جائیگا۔ عمرؓ
نے قبول کرلیا اور فرمایا لولا علی لھلک عمر یہ امرھم
شوریٰ بینھم کے برکات تھے کہ علی کرم اللہ وجہہ نے اپنا فرض
ادا کیا اور عمرؓ نے اپنی غلطی پر متنبہ ہو کر ان کا شکریہ ادا کیا۔ اس
زمانے میں اگر کوئی ایسا واقعہ پیش ہو جائے تو عمر بھر اپنے جلسوں
میں بطور افتخار کہا کریں کہ ہم نے ایسے بڑے شخص کو زک دی مگر
اُن حضرات کے نفوس قدسیہ اس قسم کی تعلّی کو ہرگز گوارا نہیں کرتے تھے

لولا علی لھلک عمر

دیکھئے کسی روایت میں دیکھا نہ جائیگا کہ علی کرم اللہ وجہہ نے کسی جلسہ میں
بطور افتخار فرمایا ہو کہ میں نے عمرؓ کو ایسا ذلیل کیا آخر ان حضرات ہی کی
باتیں حدیث کی شکل میں ہم تک پہنچی ہیں اگر ایک بار بھی آپ یہ فرماتے
تو ضرور حدیث کی کتابوں میں اس کا ذکر ہوتا اگر اس واقعہ کو نکتہ چینی
سمجھا جائے تو پہلے یہ فرض کرنا ہوگا کہ معاذ اللہ ان حضرات کے نفوس
بھی ہمارے ہی جیسے رشک۔ حسد۔ کینہ اور خود غرضی سے بھرے ہوئے
تھے اور حق تعالےٰ نے جو ان کی تعریف کی ہے رحماء بینھم اور
آیۂ شریفہ فاصبحتم بنعمتہ اخوانا نعوذ باللہ خلاف واقع ہے

صاحب ناسخ التواریخ نے اس واقعہ سے یہ نتیجہ نکالا کہ عمرؓ
خلافت کے اہل نہ تھے کیونکہ ان کی رائے میں خطا پڑی۔ اور ان کی
عمر بھر کی جانفشانیاں اور حسن تدابیر جنکو خود ہی نے ذکر کیا ہے سب کو
نسیًا منسیا کر دیا۔

غزوۂ بدر میں جب کفار مکہ گرفتار ہوئے تو حضرت صلی اللہ علیہ
وسلم نے صحابہ سے مشورہ لیا کہ اون کو قتل کیا جائے یا فدیہ لے کر
چھوڑ دیا جائے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے رائے دی کہ فدیہ لیکر چھوڑ دینا
مناسب ہے عمرؓ نے کہا قتل کرنا مناسب ہے اور بعضے صحابہ نے
ابو بکرؓ کی رائے پر اتفاق کیا اور بعض نے عمرؓ کی رائے پر اس کے بعد

یہ آیۃ نازل ہوئی ما کان لنبی ان یکون لہٗ اسریٰ حتیٰ یثخن فی الارض تریدون عرض الدنیا واللہ یرید الاخرۃ واللہ عزیز حکیم۔ لولا کتاب من اللہ سبق لمسکم فیما اخذ تم عذاب عظیم۔ یعنی نبی کو سزاوار نہ تھا کہ قیدیوں کو مال لے کر چھوڑ دیتے اور قتل نہ کرتے تم لوگ اسے صحابہ سامان دنیا چاہتے ہو اور اللہ آخرۃ اور اللہ عزت والا حکمت والا ہے اگر کتاب میں پہلے سے اس قصور کی معافی نہ ہوتی تو جو کچھ تم نے کیا اُس پر بڑا ہی عذاب نازل ہوتا۔

چونکہ فدیہ کی رائے دینے والوں پر اس آیۃ شریفہ سے سخت عتاب آلہی معلوم ہوا اس وجہ سے حضرت پر اور ابوبکرؓ پر گریہ طاری تھا کہ اتنے میں عمرؓ آئے اور عرض کی یا رسول اللہ آپ کیوں رو رہے ہیں فرمایا اگر فدیہ لینے پر عذاب نازل ہوتا تو تمہارے سوائے کوئی نجات نہ پاتا چونکہ عمرؓ ایسے واقعات دیکھ چکے تھے اس لئے اگر کوئی غلطی ہوتی تو فوراً متنبہ ہو جاتے اور خوف آلہی آپ پر طاری ہو جاتا اسی وجہ سے کہا لولا علی لھلک عمر جس طرح آیۂ شریفہ میں ہے لولا کتاب من اللہ سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم۔

غرضکہ رائے میں غلطی ہونا کوئی نئی بات نہیں مقتضائے بشریت ہے اس سے کسی مرتبہ میں فرق نہیں آتا۔ غرضکہ جتنے مخالفت کے قصّے بیان کئے جاتے ہیں ان تصریحات سے ثابت ہے کہ وہ بے اصل محض ہیں اور اون حضرات میں باہمی کمال درجہ کی محبت تھی۔

تاریخ الاسلام میں مولوی محمد احسان اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ کے تیرہ[۱۳] صاحبزادے تھے جن کے نام محمدؐ۔ عباس۔ جعفر۔ ابوبکر۔ عمر۔ عثمان وغیرہ تھے۔

اب غور کیجئے کہ اولاد کے نام جن بزرگوں کے رکھے جاتے ہیں اون کی کیسی وقعت اور محبّت اوس میں ملحوظ ہوا کرتی ہے کبھی سنا نہیں گیا کہ کسی نے اپنے لڑکے کا نام فرعون یا ابوجہل رکھا ہو۔

تاریخ الخلفا صفحہ (۸۵) میں متعدد کتب احادیث سے منقول ہے کہ ایک بار عمر رضی اللہ تعالے عنہ جمعہ کا خطبہ پڑھ رہے تھے اثنائے خطبہ میں نہایت بلند آواز سے کہا یا ساریۃ الجبل یا ساریۃ الجبل۔ یا ساریۃ الجبل یعنے اے ساریہ پہاڑ کے متصل ہو جاؤ۔ ساریہ ایک شخص تھے جن کو عمر رضی اللہ تعالے عنہ نے لشکر پر امیر بنا کر عجم کی طرف روانہ فرمایا تھا جس کو کئی دن

گذرے تھے لوگوں نے دیکھا کہ کہاں ساریہ اور جبل کیسا۔ اور خطبہ کو اوس سے تعلق ہی کیا اس حرکت سے عین خطبہ میں لوگ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے اور چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں اور یہانتک نوبت پہنچی کہ بعضوں نے صاف کہدیا کہ عمرؓ کو جنون ہوگیا ہے۔ علی کرم اللہ وجہہ نے لوگوں سے فرمایا تم عمرؓ کے معاملات میں دخل نہ دو۔ دیکھ لوگے کہ کوئی بات اس میں ضرور نکل آئے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ایک مہینے کے بعد جب اوس لشکر کا ایک شخص فتح کی خوشخبری دینے کو آیا تو اوس نے یہ واقعہ بیان کیا کہ ایک روز ہم لوگ ملک عجم میں جبل نہاوند کے قریب تھے اور ایسا وقت آگیا تھا کہ ہم کو شکست ہو جائے اتنے میں عمرؓ کی آواز آئی کہ یا ساریۃ الجبل یہ سنتے ہی ہم نے پہاڑ کو اپنی پیٹھ پر کرلیا اور کفار سے مقابلہ کیا چنانچہ تھوڑے عرصہ میں ہماری فتح ہوگئی انتہے ملخصاً۔

علی کرم اللہ وجہہ چونکہ امام الاولیا رہتے جانتے تھے کہ عمرؓ کی خلافت فقط ظاہری نہیں بلکہ خلیفۃ اللہ ہیں۔ دیکھنے کو تو یہاں ہیں مگر عالم پر حکومت کررہے ہیں دور ونزدیک اون کے حق میں یکساں ہے ان اسرار کو دوسرے کیا جانیں۔ انہوں نے بے سمجھی سے کہدیا کہ عمرؓ مجنون ہوگئے کیونکہ بے تکی باتیں فتور دماغ کی

علامت ہیں تعجب نہیں کہ یہ خیال مستقل اور پختہ ہو جاتا اور عمر رض معزول کردیئے جاتے مگر علی کرم اللہ وجہہ نے فوراً روک دیا اور اس فتنہ کو جڑ پکڑنے نہ دیا دیکھئے اگر آپ کو عمر رض سے مخالفت ہوتی تو یہ عمدہ موقع ہاتھ آگیا تھا لوگوں کے خیالات کو تائید دیتے اور فرماتے کہ بیشک اس بے تکی بات سے اون کا جنون ثابت ہوتا ہے اس لئے اب وہ قابل خلافت نہ رہے۔

اس واقعہ کو ناسخ التواریخ کی جلد دوم میں صفحہ (۴۰۱) میں لکھا ہے کہ مع القصہ اینوقت تحقِ غلبہ باعجم افتاد وعرب راپس بر د ساریہ بن عامر الخثعمی درمیان جنگ ناگاہ آوازے شنید کہ گوینده گفت یا ساریۃ الجبل الجبل یعنے از جانب کوہ پر حذر باش چوں ساریہ بجانب کوہ نگریست جماعتے از عجم را دید کہ کمین نہادہ اند پس با مردم خود بر ایشاں حملہ بردو آں جماعت را بعضے بکشت و برخی را ہزیمت کرد از پس ال عرب دیگر بارہ قوت کردند واز چپ و راست وقلب وجناح بیکبار جنبش نمودند وحملہ گراں افگندند چنانچہ اعاجم رانیروئے درنگ نماند پس پشت با جنگ کردند وعرب از دنبال ایشاں بتاختند وہمہ مردم را بخاک انداختند درجنگ نہاوند صد ہزار کس از عجم کشتہ شد انتہے ملخصًا۔

مصنف علامہ نے نصف واقعہ کو تحریر فرمادیا کہ یاساریۃ الجبل الجبل کی آواز غیب سے آئی۔ رہا یہ کہ وہ کلام عمرؓ کا تھا سو کسی مصلحت سے اوسکو حذف کر دیا۔

واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے فتوح الشام صفحہ (۲۱۵) میں لکھا ہے کہ جب مسلمانوں نے شام کے بہت سے شہر فتح کر لئے تو ہرقل گھبرایا اور تمام صوبوں سے فوجیں طلب کر کے دس لاکھ کا لشکر مسلمانوں کے مقابلہ میں بھیجدیا اور ادھر صرف تیس ہزار آدمی تھے ابو عبیدہ ابن الجراح جو سردار لشکر اسلام تھے اونہوں نے عمرؓ کی خدمت میں عرضی لکھی کہ ہرقل کا لشکر اتنا کثیر التعداد ہے کہ صرف جنگجو سپاہی اس میں آٹھ لاکھ ہیں اس لئے کمکی فوج جلد روانہ فرمائی جائے اور عبد اللہ ابن قرط کو دیکر تقید کی کہ جس قدر ممکن ہو جلد پہنچائیں چنانچہ وہ آٹھ دن میں مدینہ منورہ پہنچے ایسے وقت میں کہ صحابہ جمعہ کی نماز کے لئے مسجد نبوی میں جمع تھے اور خط عمرؓ کو دیا آپ نے منبر پر کھڑے ہو کر تمام حضار کو سنایا جس سے تمام صحابہ سخت متفکر ہوئے پھر عمر رضی اللہ عنہ نے سب سے پوچھا کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔ علی کرم اللہ وجہہ نے کہا میں اس لڑائی کا حال نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سن چکا ہوں فرماتے تھے کہ یہ لڑائی ایسی سخت ہوگی کہ ہمیشہ کے لئے یادگار رہے گی

اور صلیب کی پرستش کرنے والے اس میں ہلاک ہونگے۔ امیر المومنین آپ ابو عبیدہ کے نام تسکین کا خط لکھدیجئے چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ نے حسب مشورہ علی کرم اللہ وجہہ ان کے نام خط لکھا جس کا حاصل مضمون یہ ہے۔

کہ فتح لشکر کی کثرت سے متعلق نہیں ہے بلکہ خدا کی مدد پر موقوف ہے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ تھوڑے لوگ لشکر کثیر پر غالب آجاتے ہیں اب تم خدا پر توکل کرو اور صبر سے کام لو۔ اور خط لپیٹ کر عبداللہ بن قرط کے حوالہ کیا انہوں نے دعائے خیر کی درخواست کی اور آپ نے ان کو دعائیں دیں پھر وہ عرض سلام کی غرض سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف پر حاضر ہوئے اس وقت وہاں علی کرم اللہ وجہہ مع ہر دو صاحبزادے اور حضرت عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم حاضر تھے وہ کہتے ہیں کہ بعد عرض سلام جب میں رخصت ہونے لگا تو علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا اے ابن قرط کیا ابھی جاتے ہو میں نے عرض کی جی ہاں مگر مجھے فکر ہے کہ اگر میں عین معرکہ کے وقت وہاں پہونچوں اور وہ لوگ میرے ساتھ کمکی فوج نہ دیکھیں گے تو بے صبری کا اندیشہ ہے اس لئے میری آرزو ہے کہ لڑائی سے پیشتر میں وہاں پہونچ جاؤں اور امیر المومنین نے

جو نصیحتیں زبانی فرمائی ہیں ان کو سُنا دوں۔ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا تم نے عمرؓ سے دعا نہیں کرائی کیا تم نہیں جانتے کہ ان کی دعا پھیری نہیں جاتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں فرمایا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمرؓ ہوتے ان کا حکم موافق قرآن کے حکم کے ہوتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اگر دنیا پر عذاب اترتا تو عمرؓ کے سوا کوئی اس سے نجات نہ پاتا کئی آیتیں ان کی شان میں نازل ہوئیں وہ زاہد اور پرہیزگار اور نوح علیہ السلام کے مشابہ ہیں اور اس قسم کی بہت سی فضیلتیں بیان کیں انتہیٰ۔

مقصود یہ کہ عمر رضی اللہ عنہ کی جب دعا تم نے لی تو اب کسی قسم کی فکر نہ کرو کیونکہ جن کے یہ فضائل ہوں ان کی دعا کبھی رد نہیں ہوسکتی اس سے ظاہر ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کی کس قدر وقعت علی کرم اللہ وجہہ کے دل میں تھی اور کیسا خلوص تھا۔

اور اسی میں یہ روایت بھی ہے کہ جب سعید ابن عامر مکہ معظمہ اور طائف سے ایک ہزار کا لشکر جمع کرکے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی تائید کو نکلے اور امیر المومنین عمرؓ سے اجازت لینے کو مدینہ منورہ آئے اس وقت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں وصیتیں کیں علی کرم اللہ وجہہ

بھی وہاں تشریف رکھتے تھے بعد ختم کلام فرمایا کہ اے سعید اپنے امام امیرالمومنین
کی وصیتوں کو یاد رکھو یہ وہ شخص ہیں کہ اون سے مسلمانوں کے چالیس
ع۔دکی تکمیل ہوئی ان کی شان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
کہ اگر تم ان کی اطاعت کروگے تو ہدایت پاؤگے۔ اور یہ بھی علی رضی اللہ
عنہ نے فرمایا کہ جب عبیدہ ابن الجراح سے ملاقات ہو تو اون سے یہ
کہو کہ اگر کوئی دشواری پیش آجائے تو امیرالمومنین کو لکھکر مجھے بلوا لو تو
انشاء اللہ تعالےٰ شام کی زمین کو میں اُلٹ دونگا انتہےٰ۔

سبحان اللہ اطاعت اسے کہتے ہیں۔ متواتر خبریں آرہی ہیں کہ
آج فلاں شہر فتح ہوا اور آج فلاں خطہ اہل اسلام کے قبضہ میں آیا جس سے
مسلمانوں کے حوصلے بڑھے جارہے ہیں۔ خالد ابن الولید وغیرہ
شجاعان اسلام اپنی شجاعتوں کے جوہر دکھارہے ہیں کہ ایک ایک
شخص ایک ایک ہزار جنگجو سپاہیوں کا مقابلہ کرکے ان کو ہزیمت
دیکر شہرۂ آفاق ہورہا ہے اور علی کرم اللہ وجہہ ہیں کہ ہمت اور شجاعت
کا دریا آپ میں جوش زن ہے اور یہ وثوق ہے کہ بنفس نفیس سلطنت شام
کو اُلٹ دیں باوجود اس کے یہ نہ ہوسکا کہ بغیر اجازت امیرالمومنین
عمر رضی اللہ عنہ کے اس جنگ میں شریک ہوں آخر ابوعبیدہ کو کہلایا
کہ جب سخت ضرورت ہو تو امیرالمومنین کو لکھکر مجھے بلوالو۔ اگرچہ اس

قسم کی روایتوں میں کلام کرنا آسان ہے مگر عقل حقیقت شناس سے اگر کام لیا جائے تو یہی روایتیں صحیح معلوم ہونگی اس لئے کہ اگر صحابہ میں ایسی موافقت اور خلیفۂ وقت کی اطاعت نہ ہوتی تو ایسے بڑے بڑے قدیم منتظم اور آباد سلطنتیں جن کی مالی فوجی اور قومی طاقت سے مقابلہ میں لشکر اسلام کی قوت دیکھی جائے تو فیصدی صفر کے سوائے اور کچھ جواب نہیں ہو سکتا ممکن نہیں کہ ان کو فتح کر سکتے۔ کیونکہ مخالفت باہمی کا یہ انجام ہوتا ہے کہ ہوا اکھڑ جاتی ہے جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے ولاتنازعوا فتفشلوا فتذهب ريحكم یعنے اے مسلمانو آپس میں جھگڑا نہ کرو کہ اس سے بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا بگڑ جائے گی انتہے۔

دیکھئے کہ مخالفت باہمی ہی کا نتیجہ تھا کہ وہی علی کرم اللہ وجہہ ہیں کہ فوج کفار کی تعداد لاکھوں کی سن کر فرماتے ہیں کہ میں ملک شام کو الٹ دونگا اور خود بنفس نفیس ایک لاکھ فوج کو ہمراہ لے کر چودہ مہینے معاویہ رض کا مقابلہ کرتے رہے اور دونوں طرف برابر کی فوجیں تھیں بلکہ آپ کی طرف کثیر التعداد صحابہ موجود تھے جو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی میں بہادران عرب کے دلوں پر اپنی جوانمردی کا سکہ جما دیا تھا باوجود اس کے ایک ملک شام بھی فتح نہ ہو سکا۔ اگر

عمرؓ کے وقت میں شام عراق اور عجم فتح ہوے اور یورپ و افریقہ میں جہاں تک گئے فتح کرتے گئے کبھی ایسا نہوا کہ بغیر فتح کے واپس آگئے ہوں حالانکہ اسلامی فوج کی تعداد کبھی ایک لاکھ تک نہیں پہنچی اور کفار کی فوجیں لاکھوں کی شمار میں تھیں اور صرف فوج ہی نہیں ہاتھیوں کی فوج کے ساتھ مقابلے رہتے تھے۔ خالد ابن الولید رضی اللہ عنہ کو اگر سیف اللہ کا خطاب تھا تو آپ اسد اللہ الغالب تھے اور ہم یقیناً کہہ سکتے ہیں کہ خالدؓ کو آپ کی شجاعت اور قوت کے ساتھ کوئی نسبت نہ تھی مگر بات یہ تھی کہ ان کو جوانمردی دکھانے کا موقع اس زمانے میں ملا تھا کہ تمام صحابہ ایک دل تھے اور اس اتفاق کی وجہ سے مسلمانوں کی ہوا بندھی ہوئی تھی اور علی کرم اللہ وجہہ کو وہ زمانہ ملا جس میں بحسب روایاتِ صحیحہ فتنہ کا دروازہ کھل گیا تھا اور بسبب آیۂ موصوفہ منازعت باہمی کی وجہ سے جُبن اور بزدلی مسلمانوں کے دلوں پر چھا گئی تھی۔

الحاصل آیات اور احادیث اور قرائن قویہ دیکھنے کے بعد ہر منصف مزاج مسلمان کا وجدان گواہی دیگا کہ علی کرم اللہ وجہہ اور ابوبکر صدیق اور عمر رضی اللہ عنہم میں کمال درجہ کا اتحاد اور اتفاق تھا۔ اور مخالفت کی روایتیں بے اصل محض ہیں آپ کو ان حضرات سے اس درجہ خلوص تھا کہ اگر غائبانہ بھی کوئی اون کا ذکر بے طوری سے کرتا تو آپ منع

فرمادیتے چنانچہ ناسخ التواریخ صفحۂ (۲۵۹) میں لکھا ہے کہ جنگ صفین میں عبداللہ بن عمر اور محمد بن حنیفہ کا جب مقابلہ ہوا تو علیؓ نے اون کو پکار کر بلا لیا انہوں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ تم پر غالب نہ آجائیں انہوں نے جواب دیا کہ خدا کی قسم یہ فاسق تو کیا اگر اوسکا باپ عمر خطاب بھی ہوتا تو آپ کی شان نہ تھی کہ آپ اوس کے مقابلہ میں جاتے امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا یا بُنَیَّ لا تقل لابیہ الا خیرا یعنے اے لڑکے اون کے والد کی شان میں سوائے خیر کے کوئی توہین کا لفظ نہ کہو۔

کنز العمال میں متعدد کتب حدیث سے روایت ہے کہ عمرؓ نے علی کرم اللہ وجہہ سے آپ کی صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا پیام اپنے لئے کیا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ کم عمر ہیں کہا کہ مجھے اس کے سوائے اور کچھ مقصود نہیں کہ میرا نسبی تعلق بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے باقی رہے میں نے حضرت سے سُنا ہے کہ کل سبب اور نسب قیامت کے روز منقطع ہو جائیں گے مگر میرا سبب و نسب باقی رہیگا اگرچہ میں حضرت کی مصاحبت میں مدتوں رہا مگر چاہتا ہوں کہ یہ تعلق بھی باقی رہے۔ اے علی روے زمین پر ایسا کوئی شخص نہیں جو اون کی مصاحبت کی اس قدر توقع رکھتا ہو جس قدر مجھے ہے۔ یہ سُن کر علی کرم اللہ وجہہ راضی ہوے اور فرمایا

میں سے آپ کے ساتھ اون کا نکاح کردیا عمر رضی اللہ عنہ نے نہایت خوشی سے صحابہ کی مجلس میں آکر کہا کہ مجھے نکاح کی مبارکباد دو۔ اُنہوں نے مبارکباد دیکر پوچھا کہ اے امیر المومنین اکن کے ساتھ آپ نے نکاح کیا۔ فرمایا علی ابن ابی طالبؓ کی صاحبزادی کے ساتھ اور اُس کی وجہ بیان کی اور چالیس ہزار درہم اون کا مہر مقرر فرمایا انتہےٰ۔

اگرچہ حضرات شیعہ کو بھی اس واقعہ کا اقرار ہے مگر کچھ ایسی بدعنوانی سے اوسکو بیان کرتے ہیں کہ غیرت دار آدمی کو اُس کا سُننا بھی ناگوار ہے ناسخ التواریخ کی جلد چہارم صفحہ (۱۲۸) میں یہ روایت منقول ہے کہ جب حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام بیمار ہوئیں تو ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما عیادت کے لئے آپ کے دولت خانہ پر گئے مگر آپ نے اندر آنے کی اجازت نہیں دی اوس پر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے قسم کھالی کہ جب تک فاطمہ رضی اللہ عنہا کو میں راضی نہ کرلونگا کسی چھت کے سایہ میں نہ بیٹھونگا چنانچہ رات بھر زیر سما رہے۔ عمر رضی اللہ عنہ یہ دیکھکر علی کرم اللہ وجہہ کے پاس گئے اور کہا کہ ابو بکر ایک ضعیف رقیق القلب شخص ہیں اور اون کو مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق صحبت اور مصاحبت غار حاصل ہے کئی بار وہ اور میں فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عیادت کو گئے مگر اُنہوں نے آنے کی اجازت نہیں دی اگر آپ اس باب میں سفارش کریں تو ہم حاضر ہوکر

صفحہ ۱۲۸ ناسخ التواریخ جلد چہارم

اون کو راضی کرلیں گے۔ علی کرم اللہ وجہہ نے قبول فرمایا۔ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا سے اجازت دینے کو کہا اونہوں نے جواب دیا کہ خدا کی قسم نہ میں اونکو آنے کی اجازت دوں گی نہ اون سے بات کروں گی۔ علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا میں اس کام کا ضامن ہوگیا ہوں۔ فرمایا جب آپ ضامن ہوگئے تو خیر اجازت دیجئے چنانچہ بعد اجازت وہ گئے اور معذرتیں کیں مگر آپنے قبول نہیں کیا اوسوقت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا یا ویل ثبور لیت امی لم تلدنی یعنے یہ بڑی تباہی کی بات ہے کاش مجھے میری ماں نہ جنی ہوتی انتہی اگرچہ یہ روایت سنیوں کی کتاب میں دیکھی نہیں گئی مگر تسلیم کرلی جائے تو اس سے اتنا تو ثابت ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ کو شیخین کے ساتھ محبت تھی اور خلافت کا کوئی جھگڑا نہ تھا اس لئے کہ کس قدر آپ کو ان حضرات کی پاس خاطر تھی کہ باوجودیکہ حضرت فاطمہ علیہا السلام نے بڑی قسم کھا لی تھی مگر آپ نے اوس کا بھی خیال نہ کیا اور اتنا زور دیا کہ قسم توڑنے پر اونہیں مجبور ہونا پڑا۔ اگر آپ کو ان حضرات سے ذرا بھی ملال ہوتا تو صاف فرمادیتے کہ تم جانو اور وہ مجھے ان جھگڑوں سے کیا کام پھر قسم کا بھی قوی حیلہ موجود تھا۔

اس روایت سے اس کا بھی اندازہ ہوسکتا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خاندانِ نبوت سے کس قدر خلوص تھا فاطمہ رضی اللہ عنہا کا رنج و ملال

کس درجہ اون پر شاق ہوا ہوگا کہ قسم کھالی کہ جب تک اون کو راضی نہ کرلونگا
کسی گھر کے چھت کے سایہ میں نہ بیٹھونگا۔ پھر جب آپنے عذرت قبول نہیں
کی تو خلافت بلکہ زندگی آپ کی نظروں میں ہیچ ہوگئی جو لیت امی لم
تلدنی سے ظاہر ہے۔ اگر یہاں یہ خیال کیا جاوے کہ یہ سب تقیہ کی راہ
سے تھا تو اوسکو عقل قبول نہیں کرتی اس لئے کہ فدک جس کے ندینے
کا رنج فاطمہ رضی اللہ عنہا کو تھا اوس سے اون کو کوئی ذاتی نفع نہ تھا اسکے
مصارف اُنہوں نے وہی رکھے تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے زمانے میں تھے۔ اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
سے اونہیں ایسی بات ضرور پہونچی تھی جس پر عمل کرنے میں وہ مجبور تھے
کیونکہ خدا و رسول کے احکام جاری کرنے میں حاکم مجاز نہیں کہ کسی کی رو
رعایت کرے جیسا کہ علی کرم اللہ وجہہ کے اس ارشاد سے ظاہر ہے جو
نہج البلاغہ صفحہ (۱۰۰) میں ہے لا یقیم امر اللہ سبحانہ الا من
لا یصانع ولا یضارع ولا یتبع المطامع یعنے خدائے تعالے
کے حکم کو وہی جاری کریگا جو نہ کسی کے ساتھ سازش کرے اور نہ ایسے
کام کرے جو اہلِ باطل کے مشابہ ہوں اور نہ لوگوں کی خواہشیں پوری
کرنا اوس کے مدنظر ہو۔ غرضکہ ابوبکر رض معذور تھے اور حضرت فاطمہ رض سے
انہیں کوئی خصومت نہ تھی اگر معاذ اللہ کوئی ذاتی خصومت ہوتی تو بار بار

رضا ہوئی کے واسطے آپ کے گھر نہ جاتے اور معذرتیں کرنے کی ضرورتیں ہی کیا تھی کیونکہ خلافت کے مسئلہ میں تو کوئی رکاوٹ باقی رہی نہ تھی جس سے یہ خیال ہو کہ خلافت حاصل کرنے کی یہ تدبیر نکالی تھی۔ اگر فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بمقتضاے بشریت اس مقدمہ میں کسی قسم کا رنج بھی تھا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خلوص کے اثر سے وہ دفع ہو گیا تھا جیسا کہ تحفۂ اثنا عشریہ میں لکھا ہے کہ قطع نظر بیہقی وغیرہ کتب اہل سنّت کے کتب شیعہ مثل محجاج السالکین وغیرہ سے ثابت ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جب فاطمہ رضی اللہ عنہا کا رنج اور خفگی معلوم ہوئی تو آپ اون کے پاس چلے گئے اور کہا کہ اے صاحبزادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آپ فدک کے باب میں جو کہتی ہیں سچ ہے مگر میں نے آپ کے والد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ صاحبوں کے اور عملہ کی قوت کے بعد فقرار و مساکین میں فدک کے محاصل کو تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ فرمایا آپ بھی اوسی طرح تقسیم کیا کرو۔ اونہوں نے کہا خدا کی قسم یہ میرے ذمّہ ہے میں ایسا ہی کرونگا۔ فرمایا خدا کی قسم ایسا ہی کروگے؟ کہا خدا کی قسم ایسا ہی کرونگا۔ اس پر فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا یا اللہ تو گواہ رہ اور یہ اقرار لے کر اون سے راضی ہو گئیں چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وہ عہد پورا کیا انتہی۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو حدیث شریف نحن معاشر الانبیاء

لانورث پیش کی اس کی تصدیق ائمہ اہل بیت بھی کرتے ہیں چنانچہ کلینی صفحۂ (۱۷) میں ہے عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال ان العلماء ورثۃ الانبیاء وذلک ان الانبیاء لم یورثوا درھما ولا دینارا وانما اورثوا احادیث من احادیثھم اس کا مطلب صاف ہے کہ انبیاء دنیوی کوئی چیز میراث میں نہیں چھوڑتے ان کی میراث صرف احادیث ہیں جن کے وارث علما ہوتے ہیں انتہی۔

دیکھئے لفظ انما حصر کے لئے ہے جس کے معنے یہ ہوے کہ انبیاء کی میراث صرف علم ہے اس کے سوا کوئی چیز ترکہ میں نہیں چھوڑتے کلینی صفحۂ (۱۴۳) میں ہے عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال ترک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من المتاع سیفا ودرعا وعنزۃ ورحلا وبغلتہ الشھباء فورث ذلک کلہ علی بن ابی طالب یعنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ترکہ متاع دنیوی سے صرف تلوار اور زرہ اور چھوٹا نیزہ اور کجاوا اور مادہ خچر تھا اور اس سب کے وارث علی بن ابی طالب ہوے۔ اس روایت سے یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جس قدر ترکہ تھا اس کے وارث علی کرم اللہ وجہہ ہوے

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ عباسؓ حضرت کے چچا موجود تھے پھر علی کرم اللہ وجہہ کو یہ ترکہ کیونکر پہنچا۔ اس کا جواب اس روایت سے معلوم ہوتا ہے جو کلینی صفحہ (۱۴۴) میں ہے کہ ابو عبداللہ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا وقت قریب پہنچا تو آپ نے عباس رضؓ سے فرمایا یا عم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا میراث محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اس شرط پر لیتے ہو کہ اس کا قرض ادا کریں اور وعدہ پورا کریں انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں میں ایک بوڑھا شخص کثیر العیال اور غریب ہوں۔ آپکے قرضوں اور وعدوں کا ادا کرنا کس سے ہو سکے۔ آپ سخاوت میں ہوائے تند کا مقابلہ کرتے تھے۔ پھر مکرر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی فرمایا اور عباسؓ نے وہی جواب دیا اس کے بعد علی علیہ السلام سے وہی فرمایا جو عباسؓ سے فرمایا تھا آپ نے قبول کیا۔ چنانچہ حضرت نے اپنی خاتم خود۔ فرع۔ نشان قمیص۔ ٹوپی۔ ذوالفقار۔ دلدل۔ دو اونٹنیاں۔ دو گھوڑے۔ دو مادہ خچر وغیرہ اشیار آپ کو عطا کئے انتہیٰ

اب غور کیجئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث یہی تھی جو مذکور ہوئی اور کل میراث کے وارث علی کرم اللہ وجہہ ہوئے جسکی تصریح حضرت امام جعفر صادقؓ فرماتے ہیں اور آپ نے دیکھ لیا کہ اسمیں

فدک کا نام بھی نہیں اگر زمین فدک ترکہ میں ہوتی تو اس موقع پر حضرت اسکا
ضرور ذکر فرماتے کہ اس کو بیچکر قرض کی ادائی کی جاسے اور تعجب نہیں کہ
عباسؓ بھی اس جائداد کی وجہ سے اس خدمت کو قبول کر لیتے بہر حال یہ
وقت ذاتی جائداد بتلانے اور ادائی دیون وغیرہ کی وصیت کرنے کا تھا
جب چھوٹی چھوٹی اشیاسے مملوکہ پر آپ نے علی کرم اللہ وجہہ کا قبضہ کرادیا
تو ایک بڑی آمدنی کی زمین جس پر مدتوں جھگڑے رہے اس کا ذکر حضرت
ضرور فرمادیتے اور اگر کسی مصلحت سے ذکر نہیں فرمایا تو علی کرم اللہ وجہہ ضرور
پوچھ لیتے کہ ادائی دیون میں آمدنی فدک سے بھی مدد لے سکتا ہوں یا نہیں
مگر آپ نے بھی نہیں پوچھا اس سے ظاہر ہے کہ فدک کو ترکہ سے کوئی
تعلق نہ تھا۔ اس کے مصارف جداگانہ مقرر تھے۔ غرضکہ فدک کے معاملہ
میں جو ابو بکرؓ پر الزام لگادیا جاتا ہے خود علی کرم اللہ وجہہ اور آئمہ کرام نے
اس کا جواب دیدیا۔ مگر فاطمۃ الزہرا علیہا السلام کو وہ حدیث پہنچی نہ تھی
اس لئے آپ نے اس کا تذکرہ کیا پھر جب ابو بکر رضی اللہ عنہ سے اسکے
اصلی واقعات سن لئے تو تسلیم کیا اور جھگڑا طے ہوگیا مگر بعد والے لوگوں نے
اپنے اغراض پورے کرنے کی غرض سے روایتیں بنالیں جن سے ابتک
ان کا جھگڑا پڑا ہوا ہے اگر وجدان سے کام لیا جاسے تو وہ بھی یہی گواہی
دیگا کہ ان نفوس قدسیہ کی یہ شان نہیں کہ دنیا داروں کی طرح تھوڑی سی زمین

کے لئے عمر بھر خصومت میں لگے رہیں۔

نہج البلاغہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے من بالغ فی الخصومۃ اثم ومن قصر فیھا ظلم ولا یستطیع ان یتقی اللہ من خاصم یعنے جو شخص خصومت میں مبالغہ کرے وہ گناہگار رہے اور جو تھوڑی خصومت کرے وہ ظالم ہے اس سے خدائے تعالےٰ کا تقویٰ نہیں ہوسکتا۔ انتہیٰ۔ اب کہیئے کہ کیونکر خیال کیا جاسے کہ فاطمہ زہرا علیہا السلام نے مقدمۂ فدک میں خصومت کی جس کی وجہ سے ظالم یا گنہگار قرار دئے جائیں یا کہا جاسے معاذ اللہ وہ متقی نہ تھیں اور علی کرم اللہ وجہہ کی نسبت یہ کیونکر خیال ہوسکے کہ آپ نے لوگوں کو تو یہ ارشاد فرمایا تھا مگر آپ کے گھر میں اس پر عمل نہ تھا۔

اور یہ بھی روایتیں نقل کی جاتی ہیں کہ فاطمۃ الزہرا علیہا السلام نے انتقال کے وقت تک ابو بکر رضہ سے ترکِ کلام کر دیا تھا۔ حالانکہ کلینی صفحہ (۵۲۱) میں ہے عن ابی عبد اللہ علیہ السلام یقول قال ابی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایما مسلمین تھاجرا فمکثا ثلاثًا لا یصطلحان الا کانا خارجین من الاسلام ولم یکن بینھما ولایۃ فایھما سبق الی کلام اخیہ کان السابق الی الجنۃ یوم الحساب یعنے ابو عبد اللہ علیہ السلام اپنے والد سے

روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو دو مسلمان باہمی رنجش کی وجہ سے تین روز تک ایک دوسرے سے بات نہ کریں اور اس عرصہ میں صلح نہ کرلیں تو وہ دونوں اسلام سے خارج ہوں گے اور ان میں ولایت نہیں پھر جو شخص پہلے بات کرلے وہ قیامت کے روز جنت میں پہلے جائیگا۔

اب غور کیجئے کہ حضرت فاطمۃ الزہرا علیہا السلام کی نسبت یہ گمان ہو سکتا ہے کہ نعوذ باللہ آپ ایسے گناہ کے مرتکب ہوے جس سے آدمی اسلام سے خارج ہو جاے اس قسم کی کل روایتیں یقیناً بنائی ہوی اور موضوع ہیں اور ان کی تصدیق کرنے والے اپنے پر قیاس کرکے تصدیق کرلیتے ہیں جو ہرگز نہیں چاہئیے کیونکہ اگر ان حضرات کی وہی حالتیں ہوں جو ہماری ہیں تو نفوسِ قدسیہ میں اور ہمارے نفوس میں فرق ہی کیا ہوا۔ اب اگر ان روایتوں کو صحیح کرنے کی غرض سے نفس امارہ اور نفس قدسی اور مطمئنہ کو ایک کردیں تو اس کا کچھ علاج نہیں۔

جس طرح ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما سے آپ کو صفائی تھی اسی طرح عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی تھی چنانچہ ناسخ التواریخ کی جلد دوم صفحہ (۵۲۶) میں لکھا ہے

کہ عثمان نیم شبے بخانۂ علی علیہ السلام آمد وگفت یا ابا الحسن حق خویشاوندی وقرابت را فرومگذار وشفقت خویشش را از من دریغ مدار ونزدیک ایں

تو هم شما ایشان را به کتاب خدا و سنت رسول دعوت کن و آنچه خواستار شوند پذیرفتار باش۔

دیکھئے عثمانؓ کو علی کرم اللہ وجہہ پر کس قدر اعتماد و وثوق تھا کہ ایسی نازک حالت میں کل صحابہ میں سے بلوائیوں کی تفہیم کے لئے آپ کا انتخاب کیا اور آپ نے بھی اوس کو قبول کر کے یہانتک سعی کی کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے خود ضامن ہو گئے۔ جیسا کہ ناسخ التواریخ میں اس کی تصریح کی ہے اگر دشمنی ہوتی تو علی کرم اللہ وجہہ صاف کہدیتے کہ مجھے ان جھگڑوں سے کیا غرض بلکہ بلوائیوں کو اور تائید و اشتعالک دیتے۔

اور یہ بھی ناسخ التواریخ صفحہ (۵۲۹) میں ہے۔ و از ہر جانب سنگ پارہ ہے مسجد را بر گرفتند و بسوے عثمان رواں کردند پس عثمان را از منبر فرود آوردند و او بیہوش بود ہچنانش بخانہ بردند حسن بن علی علیہ السلام و سعد ابن وقاص وغیرہ تا در سراے رفتند عثمان از یشان عذر خواست تا باز شدند آنگہ علی علیہ السلام بعیادت عثمان رواں شد و او را دیدار کرد۔ دیکھئے اس سے کس قدر باہمی محبت اور خصوصیت معلوم ہوتی ہے کہ باوجود اس خطرناک حالت کے امام حسن رضؓ نے عثمانؓ کو گھر تک پہونچایا اور علی کرم اللہ وجہہ سُنتے ہی اون کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے اگر مخالفت ہوتی تو خوش ہونے کا موقع تھا بلکہ مار پیٹ میں خود بھی شریک ہوتے پھر عیادت

کے وقت جب بنی امیہ نے تہمت لگائی کہ آپ ہی نے یہ فتنہ برپا کرایا
تو جواب میں فرمایا جیسا کہ ناسخ التواریخ میں لکھا ہے علی بانگ برایشان
زد وگفت دور شوید اے مردم احمق اے آزاد کردگان پسر آزاد کردگان
شما لائق پاسخ نیستید چندان کہ کار شما را باصلاح آوردم ہم خود تباہ کردید
اس سے ظاہر ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ کو منظور تھا کہ عثمانؓ کی خلافت باقی
رہے اور فتنہ فرو ہو جیسا کہ باصلاح آوردم سے ظاہر ہے مگر بنی اُمیہ نے
حضرت کی بات چلنے نہ دی اور بنی بنائی بات کو بگاڑ دیا۔ اس روایت
سے یہ بھی ظاہر ہے کہ جو کچھ آپ نے کیا خلوص و صداقت سے کیا
اگر تقیہ کی راہ سے ہوتا تو بنی اُمیہ کی چاپلوسی کرتے حالانکہ اون کو آپ نے
ایسی سنائی کہ وہ دم نہ مار سکے۔

اس کے بعد جب بلوائیوں نے عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کیا۔ اور
کھانا پانی بند کر دیا اوس وقت عثمانؓ نے کوٹھے پر چڑھ کر علی کرم اللہ وجہہ
کو پکارا جیسا کہ ناسخ التواریخ میں لکھا ہے کہ عثمانؓ بربام سرائے آمد و ندا
در داد کہ ایا علی ابوطالب در میان شما جاے دارد گفتند نیست و خاموش شد
از بام فرود آمد و این خبر بہ علی علیہ السلام بردند علی غلام خویش قنبر را
بدو فرستاد و پیام داد کہ شنیدم مرا ندا کردی بگوے حاجت چیست گفت
این قوم آب از من باز گرفتہ اند و گروہے از فرزندان و عیالان من

تشنہ اند اگر توانی مرا آب فرست علی علیہ السلام آں جماعت را خطاب کرد

کہ اے مردم کردار شما نہ با مسلمانان مانند است و نہ با کافران ہمانا کافران

فارس و روم اسیری کنند لکن آب و نان می دہند۔ آب را ازیں مرد باز

مگیرید قوم ابا داشتند لاجرم علی علیہ السلام سہ مشک آب بدست چند تن

از بنی ہاشم بدو فرستاد تا ہمگنان بخورند و سیراب شدند۔ دیکھئے بمجرد اس کے

کہ آپ کو عثمان رضؓ کے پکارنے کی خبر پہونچی فوراً آپ چلے آئے اور بلوائیوں کو

زجر و توبیخ کی اور اوس خطرناک حالت میں پانی پہونچایا۔ عثمان رضؓ کا علی

کرم اللہ وجہہ کو تخصیص کے ساتھ پکارنا اور خبر پہونچتے ہی آپ کا وہاں

تشریف لیجانا وغیرہ امور کس توضیح سے محبت و خصوصیت باہمی کو بتلا

رہے ہیں اگر ایسے کھلے قرائن بھی نظر انداز کر دیئے جائیں تو کہنا پڑیگا کہ

درایت کوئی چیز نہیں صرف اسم بے مسمے ہے۔

جب علی کرم اللہ وجہہ کو یقین ہوا کہ بلوائی عثمان رضؓ کو ضرور شہید

کریں گے تو امام حسن علیہ السلام کو حفاظت کے لئے روانہ فرمایا۔ چنانچہ

تاریخ الخلفاء صفحہ (۱۰۹) میں ہے فبلغ علیا ان عثمان یراد قتلہ

فقال انما اردنا مروان فاما قتل عثمان فلا فقال للحسن والحسین

اذھبا بسیفکما حتی تقوما علی باب عثمان فلا تدعا

احدا یصل الیہ یعنے جب علی کرم اللہ وجہہ کو معلوم ہوا کہ بلوائیوں نے

عثمان رض کے قتل کا ارادہ کر لیا ہے تو فرمایا کہ ہم صرف اس قدر چاہتے تھے کہ مروان کو دیدیں رہا عثمان رض کا قتل سو اس کا خیال بھی نہ تھا پھر امام حسن اور امام حسین علیہما السلام سے فرمایا کہ تم دونوں مسلح ہو کر عثمان رض کے دروازے پر جاؤ اور کسی کو اُن تک پہونچنے نہ دو چنانچہ دونوں صاحبزادے مسلح ہو کر تشریف لے گئے اور بلوائیوں نے تیراندازی شروع کی اسی میں لکھا ہے کہ امام حسن زخمی ہوے اور آپ کا جسم مبارک خون آلود ہو گیا اور قنبر کا سر پھوٹا محمد بن ابی بکر نے جب یہ حالت دیکھی تو بلوائیوں سے کہا کہ اگر بنی ہاشم حسنین کا یہ حال دیکھیں گے تو ضرور کمک کے لئے آئیں گے اور ہمارا مقصود فوت ہو جائیگا اس وقت مناسب یہی ہے کہ دوسری طرف سے دیوار کود کر گھر میں پہونچ جائیں اور اون کو قتل کر ڈالیں۔

جب علی کرم اللہ وجہہ کو عثمان رض کی شہادت کی خبر پہونچی تو بدحواس دوڑے اور دونوں صاحبزادوں سے فرمایا کہ تمہاری موجودگی میں امیرالمومنین کس طرح قتل کئے گئے اور بکمال غصہ سے امام حسن علیہ السلام کو طمانچہ اور امام حسین علیہ السلام کے سینہ پر مارا اور بہت سخت وسست سنائی اگرچہ اس واقعہ کو ناسخ التواریخ صفحۂ (۵۳۶) میں دوسرے طور پر لکھا ہے مگر شہادت کے وقت امام حسن علیہ السلام کا وہاں موجود رہنا اوس سے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ آتش فتنہ بالا گرفت عثمان را از پس یکدیگر

چند در بود پس قوم آتش بیاوردند و بر در نختیں زدند و بہ درون آمدند و را دیگر را آتش زدند حسین بن علی علیہما السلام وغیرہ نزد عثمان بودند عثمان با حسن گفت ایں وقت درہاے سرائے را قوم برائے کار بزرگ می سوزند و پدر تو علی بن ابی طالب ایں ہنگام در حق تو اندیشناک است ترا سوگند میدہم کہ نزد او شوی پس حسن علیہ السلام از نزد او بیرون شد و ایں وقت بہ سرائے عثمان درآوردند۔

بہر حال علی کرم اللہ وجہہ کی ہمدردی ہر طرح سے ثابت ہے اور اس روایت سے عثمان رض کا غایت خلوص ظاہر ہے کہ امام حسن علیہ السلام ہر چند واپس جانا نہیں چاہتے تھے مگر آپ نے اون کو مجبور کیا اور منت کر کے قسمیں دیکر روانہ فرمایا صرف اس خیال سے کہ علی کرم اللہ وجہہ کو تشویش ہوگی۔ سبحان اللہ وفاداری اور غمخواری اسے کہتے ہیں۔ علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے جگر گوشوں کو شریک حال کیا تو عثمان رض نے اوس کا جواب دیا کہ سر جاے تو قبول مگر آپ کے دل پر تشویش نہ آنے پاے۔

روایات مذکورۂ بالا سے یہ بات نہایت وضاحت سے معلوم ہوگئی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلفائے ثلثہ کے ساتھ ایک خاص قسم کی خصوصیت اور محبت تھی اور اون کے فضائل اور خلیفۂ برحق ہونے کے قائل تھے کیونکہ آپ جانتے تھے کہ ہر وقت اسلام میں ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے

جو امانت و دیانت سے نبوت کے کاموں کو بطور خلافت و نیابت انجام دے جس کے فضل و کمال پر اہل حل و عقد اتفاق کر کے اوسکو اپنا امیر تسلیم کرلیں چنانچہ یہ امور خلفاے ثلثہ میں پاے گئے۔ چونکہ ابھی معلوم ہوا کہ خلافت نبوت ایسی چیز نہیں کہ کوئی متدین شخص اوس کا طالب ہوسکے اِسی وجہہ سے جب آپ کی نوبت آئی تو اوس کے قبول کرنے سے آپ انکار کر گئے اور بہت دیر کی رد و قدح کے بعد بمجبوری قبول فرمایا اب جو خیال کیا جاتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو آرزو تھی کہ آپ خلیفۂ اول بناے جائیں سو یہ بالکل خلاف درایت و روایت ہے کیونکہ مختلف متعدد روایتوں سے ابھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے نہ علی کرم اللہ وجہہ کو اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر فرمایا نہ اور کسی کو بلکہ قرائن و اشارات اور پیشین گوئیوں کے ذریعہ سے معلوم کرا دیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اہل اسلام خلیفہ مقرر کرلیں گے اور خداے تعالیٰ کو بھی یہی منظور ہے تو یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ باوجود اس علم کے آپ خلاف مرضی خدا و رسول ایسی چیز کی آرزو کرتے جس میں ہزارہا ذمہ داریاں ہوں اور سر دست کوئی نفع بھی نہیں یہانتک کہ معمولی کھانا اور کپڑا خلیفہ کو نصیب ہونا مشکل تھا جس کے ثبوت میں خود علی کرم اللہ وجہہ کے حالات گواہ عدل ہیں۔ جن سے نہ شیعہ کو انکار ہے نہ سنیوں کو یہی وجہ تھی کہ شیخین بلکہ

عدم تعیین خلافت کرم اللہ وجہہ
خلافت کی آرزو خلاف درایت و روایت ہے ۱۲

خود علی کرم اللہ وجہہ تمنا کرتے تھے کہ کاش ہم پہلے ہی مر گئے ہوتے۔ اب کہئے کہ ایسی خلافت کی آرزو عقل کی رو سے کیونکر صحیح ہو سکتی ہے۔ ہر چند روایات خلافت شیخین حاکم نے مستدرک میں کثرت سے ذکر کئے ہیں اور حاکم شیعی شخص ہیں اگر اس سے بھی قطع نظر کر کے تسلیم کر لیا جائے کہ جو احادیث حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے باب میں وارد ہیں سنیوں کی بنائی ہوئی ہیں تو بھی عقل اس کو قبول نہیں کرتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علی کرم اللہ وجہہ کو اپنا ولیعہد اور جانشین مقرر فرما دیا تھا اور کل صحابہ نے عدول حکمی کی کیونکہ عدول حکمی کے لئے کوئی ایسا قوی سبب چاہیئے کہ عمر بھر کی خوش اعتقادیوں پر پانی پھیر کر چند ساعتوں میں پوری مخالفت پر آمادہ کر سکے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک کل صحابہ حضرت کے امر پر جان فدا کرنے کو سعادت ابدی کا ذریعہ جانتے نہ تھے اور کیا کسی کا یہ عقیدہ تھا کہ حضرت کے حکم بعد وفات قابل نفاذ نہیں ؟ ہرگز نہیں بلکہ وہ جانتے تھے کہ جو کچھ آپ نے قرار دیا اور حکم فرمایا وہ بالکل ہمیشہ کے لئے قابل نفاذ ہے۔

ابوبکر رض کو مثل معاویہؓ کے پہلے سے کوئی حکومت حاصل نہ تھی جس سے فوج کشی کر کے سب کو مقہور کرنے کا احتمال ہو سکے نہ ان کا قبیلہ ایسا پر زور اور جنگ جو تھا جس کی ہیبت کل صحابہ پر طاری ہو گئی ہو بلکہ ان کا

قبیلہ تمام قبائل قریش میں چھوٹا اور کم وقعت سمجھا جاتا تھا جیسا کہ ابو سفیانؓ کے قول سے بھی معلوم ہوا۔ غرضکہ کوئی سبب ایسا خیال میں نہیں آتا جس سے کل صحابہ بلکہ خود علی کرم اللہ وجہہ کو مخالفت امر نبوی پر مجبور کیا ہو کیونکہ علی کرم اللہ وجہہ اگر مامور یا مستحق تھے تو اون کا فرض تھا کہ کبھی اوس سے تقاعد نہ کرتے جیسے عثمانؓ شہید ہو گئے مگر خلافت کو نہ چھوڑا صرف اس بنا پر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کنایۃً فرمایا تھا کہ اے عثمانؓ! امید ہے کہ خدائے تعالیٰ تمہیں ایک قمیص پہنائے اگر لوگ اوس کو اوتارنا چاہیں تو تم اُتارنے نہ دو جیسا کہ حاکم نے اس روایت کو مستدرک میں بیان کیا ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ وہ روایت جو علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ اگر میں ولیعہد ہوتا تو ابو بکرؓ کو حضرت کے منبر پر کھڑے رہنے نہ دیتا صحیح ہے۔ غرضکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر علی کرم اللہ وجہہ کو اپنا جانشین قرار دیتے تو ممکن نہ تھا کہ ہنوز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین بھی نہیں ہوئی تھی کہ کل صحابہ عدول حکمی کر کے ابو بکرؓ کو جانشین مقرر کر دیتے کیونکہ دنیوی حیثیت سے ابو بکرؓ میں کونسی ایسی بات تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ایک طرف رہ گیا اور اون کی چل گئی۔ اور حضرت علیؓ بھی اوس عدول حکمی میں شریک ہو گئے۔

کلینی میں روایت ہے قال امیر المومنینؑ فی کلام لہ خطبہ

علی المنبر یا ایھا الناس اذا علمتم فاعملوا بما علمتم لعلکم تھتدون ان العالم العامل بغیرہ کالجاھل الحائر الذی لا یستفیق عن جھلہ ولا تدھنوا فی الحق فتقصروا یعنی فرمایا علی کرم اللہ وجہہ نے برسر منبر کہ اے لوگو جب تمہیں کسی بات کا علم آگیا تو اس پر عمل کرو اس صورت میں امید ہے کہ تم ہدایت پاؤ گے۔ جو جاننے والا برخلاف علم عمل کرے وہ مثل جاہل حیران کے ہے کہ جہل سے اسکو افاقہ ہی نہیں اور حق بات میں مداہنت نہ کرو ورنہ نقصان اوٹھاؤ گے۔

اس سے ظاہر ہے کہ اگر علی کرم اللہ وجہہ کو اپنی خلافت متصلہ کا علم ہوتا تو آپ کبھی مداہنت نہ کرتے کیا ممکن ہے کہ لوگوں کو تو آپ برسر منبر عمل کرنے کو فرماویں۔ اور خود آپ ہی عمل نہ کئے ہوں۔

کلینی میں روایت ہے عن ابی عبد اللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الفقھاء امناء الرسول مالم یدخلوا فی الدنیا قیل یارسول اللہ ومادخولھم فی الدنیا قال اتباع السلطان فاذا فعلوا ذالک فاحذروھم علی دینکم یعنی ابو عبد اللہ علیہ السلام سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ فقہا رسولوں کے امانتدار ہیں اس وقت تک کہ دنیا میں داخل نہ ہوں کسی نے پوچھا کہ ان کے دنیا میں داخل ہونے کی کیا صورت فرمایا بادشاہ کی

ثابت جب وہ یہ کام کرنے لگیں تو تم ان سے ڈرو کہ کہیں تمہارا دین خراب نہ کر دیں دیکھئے ابو عبد اللہ امام جعفر صادق علیہ السلام تک جب یہ روایت پہونچی تو علی کرم اللہ وجہہ تو اس کو ضرور جانتے تھے اور متعدد روایتوں سے ثابت ہے کہ آپ خلفائے ثلثہ کی خلافتوں میں اہل شوریٰ میں شریک تھے اور دربار خلافت میں ہمیشہ جایا کرتے بلکہ معین و مددگار رہتے اور اون کی اطاعت پوری پوری کرتے تھے اگر آپ ان کو سلاطین سمجھتے تو ان کی مجلسوں میں کبھی داخل نہ ہوتے اور کبھی دنیاداری کا عار اپنے ذمہ نہ لیتے کیونکہ آپ باتفاق فریقین اورع تھے اس سے ظاہر ہے کہ خلفائے ثلثہ کی خلافت کو آپ نے خلافت حقہ تسلیم فرمالیا تھا۔

کلینی میں روایت ہے عن معاویۃ بن وھب قال سمعت ابا عبد اللہ یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان عند کل بدعۃ تکون من بعدی یکاد بھا الایمان ولیا من اھل بیتی موکلا بہ یذب عنہ ینطق بالھام من اللہ و یعلن الحق و ینورہ و یرد کید الکائدین یعبر عن الضعفاء فاعتبروا یا اولی الابصار و توکلوا علی اللہ یعنے ابو عبد اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی بدعت نکلے جس سے ایمان میں کسی قسم کی خرابی واقع ہو اسوقت ایک ولی میرے

اہلِ بیت سے موکل ہو جائے گا کہ ایمان سے ان خرابیوں کو دفع کرے اللہ کی طرف سے اسکو الہام ہوا کریگا جسکو وہ بیان کریگا اور حق کا اعلان کرکے اسکو روشن کردیگا اور کید کرنے والوں کی کید کو رو کردیگا اس روایت سے ثابت ہے کہ خلفائے ثلثہ کی خلافت مکر وکید سے حاصل نہیں کیگئی تھی ورنہ علی کرم اللہ وجہہ کا فرض ہوتا کہ اپنے الہاموں کے ذریعہ سے حق کا اعلان کرکے مبرہن اور روشن اوران کے کید کو ظاہر فرما دیتے۔

کلینی میں روایت ہے عن محمد بن جمھور القمی یرفعه قال

قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اذا ظهرت البدع فی امتی فلیظهر العالم علمه فمن لم یفعل فعلیه لعنة اللہ یعنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میری اُمت میں بدعتیں ظاہر ہوں تو عالم کو ضرور ہے کہ اپنا علم ظاہر کرے اور جس نے ایسا نہیں کیا اس پر خدا کی لعنت ہے۔ غور کیا جائے کہ اگر خلفائے ثلثہ کی خلافتیں اور اون کے احکامات بدعت تھے تو علی کرم اللہ وجہہ پر ان کی تائید کرنا حرام تھا۔ حالانکہ فریقین کی کتابوں سے ثابت ہے کہ آپ ہر موقع میں ان حضرات کی تائید کو دین کی تائید سمجھتے تھے ورنہ آپ ان کی مجلسوں میں ہرگز نہ جاتے جس سے ان کی تعظیم ہوتی تھی کیونکہ اس وقت آپ کا جانا بحیثیت اتباع اور اطاعت تھا نہ بحیثیت حاکمیت یا اکراہ

کلینی میں روایت ہے عن محمد بن جمہور رفعہ قال من اتیٰ ذا بدعۃ فعظمہ فانما یسعی فی ھدم الاسلام یعنے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص کسی بدعتی شخص کے پاس جا کر اس کی تعظیم کرے یا اسکو بزرگ بنائے تو اس نے بنیاد اسلام کو ڈھانے میں کوشش کی۔ اب غور کیجئے کیا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یہ خیال ہو سکتا ہے کہ آپ نے اسلام کے ڈھانے میں کوشش کی ہوگی نعوذ باللہ من ذالک۔

کلینی میں روایت ہے کہ ابو عبد اللہؑ نے فرمایا کہ نہ اہل بدعت کے ساتھ رہو نہ ان کے ہمنشین بنو۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آدمی اپنے دوست اور قرین کے دین پر ہوتا ہے۔

اور اسی کے صفحہ (۵۵۴) میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میرے بعد اہل بدعت کو دیکھو تو ان سے تبری کرو اور گالیاں دو اور بدگوئی کرو انتہی ملخصاً۔ الحاصل متعدد روایتوں سے ثابت ہے کہ اہلِ بدعت سے احتراز اور تبری ضرور ہے اور علی کرم اللہ وجہہ نے خلفائے ثلثہ سے کبھی علحدگی اختیار نہیں کی بلکہ ان کے ہمنشین رہا کرتے تھے اس سے اہلِ انصاف سمجھ سکتے ہیں کہ خلفائے ثلثہ کی خلافت بدعت نہ تھی بلکہ خلافت حقہ تھی جس کی تائید آپ بنفس نفیس فرماتے تھے۔

علی کرم اللہ وجہہ تو لڑکپن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابت میں رہ چکے تھے ابتدا سے دیکھا کئے کہ کفار نے کیسی کیسی ایذائیں حضرت کو دیں چنانچہ خود حضرت ارشاد فرماتے ہیں کہ جس طرح مجھے ایذائیں دیگئیں کسی نبی کو نہیں دی گئیں باوجود اس کے آپ نے دعوے نبوت سے کبھی تقاعد نہیں کیا اسی طرح علی رض کا بھی فرض تھا کہ دعوے خلافت تقاعد نہ فرماتے کیونکہ وہ خلافت خلافت نبوت تھی جس سے نبوت کے کام متعلق تھے حالانکہ کسی روایت سے ثابت نہیں کہ آپ نے بالا علان دعوے خلافت کیا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اور اون کے طرفداروں نے آپکو دھمکی دی جس سے آپنے ڈر کر دعوے چھوڑ دیا۔

اگر کہا جائے کہ آپ نے تقیہ کیا تو یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا اس لئے کہ ابوبکر رض کا قبیلہ کچھ باوقعت نہ تھا جیسا کہ ابھی معلوم ہوا بخلاف اس کے علی کرم اللہ وجہہ کا قبیلہ تمام عرب میں جس شوکت وشکوہ کا تھا اظہر من الشمس ہے اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جان فدا کرنے والے کل صحابہ تھے اور حضرت علی رض کی جو قرابت اور خصوصیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی ظاہر ہے اور مقتضائے طبع انسانی ہے کہ اپنے کریم اور شفیق آقا کے قرابت دار نہایت عزیز ہوا کرتے ہیں اور اوس کے انتقال کے ساتھ ہی وارث قوی کو اوس کا جانشین بنا دیتے ہیں جیسا کہ

تقیہ کا خیال باطل ہے

کتب تواریخ وغیرہ سے ظاہر ہے۔ دیکھئے باوجودیکہ علی کرم اللہ وجہہ نے امام حسن علیہ السلام کو اپنا ولیعہد مقرر نہیں فرمایا مگر آپ کی شہادت کے ساتھ ہی جتنے مسلمان آپ کے زیر فرمان تھے سب نے اون کو آپ کا جانشین تسلیم کیا حالانکہ وہ وقت سخت آزمایش اور فتنہ کا تھا اُدھر ایک بڑی سلطنت شام کا مقابلہ درپیش اور ادھر اپنی باغی فوج یعنے خوارج کا خوف لگا ہوا بخلاف اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت تو مخالفت کا نام بھی نہ تھا۔ اس کا انکار نہیں ہو سکتا کہ علی کرم اللہ وجہہ کو بلحاظ قرابت یہ اطمینان ضرور حاصل تھا کہ کوئی صحابی آپ کا مخالف نہیں۔ چنانچہ حاکم نے مستدرک میں روایت کی ہے کہ نزال ابن سبرہ نے علیؓ سے پوچھا کہ آپ کے اصحاب کون ہیں فرمایا کل اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے اصحاب ہیں۔

ان قرائن سے ثابت ہے کہ اگر پہلے سے آپ خلیفہ مقرر ہو چکے تھے تو آپ کو تقیہ کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ صرف دعوے کرنا کافی تھا پھر آپ کی شجاعت پر نظر ڈالی جائے تو عقل ہرگز گوارا نہیں کرتی کہ آپ نے بزدلی کی ہو دیکھئے جنگ خیبر وغیرہ کے معرکوں میں جو آپ نے داد شجاعت دی کتب احادیث سے ظاہر ہے پھر یہ شجاعت حضرت ہی کے زمانہ پر منحصر نہیں بلکہ معاویہؓ کے مقابلہ مین جو معرکہ آرائیاں آپ نے کیں اون کا بھی

آپ کی شجاعت

جواب نہیں حالانکہ اوس وقت آپ کی عمر شریف ساٹھ سال سے متجاوز تھی اس لئے کہ آپ کی عمر شریف انتقال کے وقت ترسٹھ سال کی تھی جیساکہ استیعاب میں لکھا ہے اور کل مدت خلافت چار سال اور چند ماہ ہے جب اس پیرانہ سری میں آپ کی شجاعت کا یہ حال ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت جبکہ تخمیناً تیس سال کی عمر تھی جو عین شباب کا زمانہ ہے کیا حال ہوگا۔

تاریخ کامل میں لکھا ہے کہ جب لشکر معاویہؓ نے عمار بن یاسرؓ کو شہید کیا تو علی کرم اللہ وجہہ نے صرف بارہ شخصوں کو ہمراہ لے کر لشکر پر حملہ کیا اور تمام لشکر کے صفوں کو چیرتے ہوئے معاویہؓ کے ڈیرے کے قریب پہونچ گئے اور پکار کر فرمایا اے معاویہؓ طرفین کے لوگ مفت مارے جانے سے کیا فائدہ فیصلہ اسی پر قرار دیا جائے کہ تم ہم اپنی ذات سے لڑیں جو اپنے حریف کو مارے وہی مستقل ہوجائے۔ عمرو بن العاص نے معاویہؓ سے کہا بات تو ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا یہ تمہارا ظلم ہے تم جانتے ہو کہ اون کے مقابلہ میں جو آیا مارا گیا۔ عمرو نے کہا اون کے مقابلہ سے تمہارا ٹل جانا بے موقع ہے کہا اس سے تمہارا مطلب معلوم ہوگیا تم چاہتے ہو کہ مجھے کھپا کر آپ حکومت کے مزے اڑائیں یہ معاف کیجئے۔ اور راوسی میں لکھا ہے کہ جب معرکۂ صفین میں اہل شام

کی فوج کثیر نے علی کرم اللہ وجہہ کے میمنہ لشکر پر حملہ کیا اور ادن کے
پاؤں اکھڑے اور میدان خالی ہوگیا تو حضرت پا پیادہ میسرہ کی طرف
روانہ ہوے اوسوقت تینوں صاحبزادے آپ کے ہمراہ تھے ہر طرف
سے تیروں کی بوچھاڑ آپ پر ہونے لگی۔ ابوسفیان کا غلام جس کا نام
احمر تھا حضرت پر لپکا آپ کا غلام کیسان نام اوس کے مقابل ہوا
بعد معرکہ آرائی کے احمر غالب آیا حضرت آگے بڑھے اور اوس کو پکڑنا
چاہا وہ بھاگا مگر اوسکی زرہ آپ کے ہاتھ میں آگئی اوسی سے اوسکو سر تک
اوٹھا کر زمین پر ایسا دے مارا کہ اوس کے دونوں مونڈھے اور بازو
ٹوٹ گئے۔ اور ادھر میسرہ کی فوج سے بھی ایک قبیلہ شکست کھا کر
بھاگا اور میدان خالی ہوگیا۔ شامیوں نے جب آپ کو اس حالت میں
دیکھا ہر طرف سے ٹوٹ پڑے۔ امام حسن علیہ السلام نے عرض کی کہ
حضرت دوڑ کر اپنے لوگوں میں جا ملیں تو بہتر ہو گا فرمایا تمہارے باپ
کے لئے ایک روز معین ہے نہ دوڑنے سے اوس میں دیر ہو گی نہ چلنے
سے وہ جلد آجائیگا خدا کی قسم تمہارے باپ کو اس کی کچھ پروا نہیں کہ وہ
موت پر واقع ہوں یا موت اون پر واقع ہو۔ اب کہیئے کہ جن کی
پیرانہ سری میں یہ حالت ہو تو عین شباب کے زمانہ میں کیا حال ہوگا۔
مروج الذہب وغیرہ میں لکھا ہے کہ ابوذر رضی اللہ عنہ ایک روز

عثمان رضی اللہ عنہ کی مجلس میں حاضر ہوئے آپنے حضار مجلس سے پوچھا کہ اگر کسی نے اپنے مال کی زکوٰۃ پوری ادا کی تو کیا اوس مال سے پھر اور کوئی حق متعلق ہوگا؟ کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ نے کہا نہیں یا امیر المومنین۔ یہ سنتے ہی ابو ذر رضی اللہ عنہ نے ایک چپت اون کے لگائی اور کہا اے یہودی کے لونڈے! تو جھوٹ کہتا ہے اور یہ آیت پڑھی لیس البران تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب الآیہ اس کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا تم لوگ اس بات میں کوئی حرج سمجھتے ہو کہ جو واقعات ہم پر پیش ہوتے ہیں اون کیلئے بیت المال سے کچھ مال لیکر خرچ کریں اور مسلمانوں کو بھی دیں؟ کعب احبار نے کہا کچھ مضائقہ نہیں۔ ابو ذر رضی اللہ عنہ نے یہ سنتے ہی فوراً ایک لاٹھی اون کو دے ماری اور کہا اے یہودی کے لونڈے! تجھے اتنی جرأت ہوئی کہ ہمارے دین کے مسئلے بنانے لگا۔ عثمان رضی اللہ عنہ کو اون کی ان بے موقع حرکتوں سے سخت رنج ہوا اور فرمایا کہ تم مجھے بہت ایذا پہونچانے لگے۔ مناسب یہ ہے کہ یہاں سے اور کہیں چلے جاؤ چنانچہ وہ شام کو چلے گئے۔ چونکہ آپ کو اسپر اصرار تھا کہ ہر مسلمان کو ضرور ہے کہ اپنا کل مال راہ خدا میں صرف کرکے فقیر بنا رہے۔ وہاں بھی اسی قسم کے مناظرے مباحثے ہونے لگے اور لوگ کچھ تو استفادہ کی غرض سے

اور کچھ چھیڑ کر باتیں سننے کے لئے آپ کے پاس جمع ہوتے اور جہاں بیٹھتے
وہاں ایک مجمع ہو جاتا. معاویہؓ نے اون کی شکایت عثمان رضی اللہ عنہ کو
لکھی کہ مجھے خوف ہے کہ ابو ذر رضی اللہ عنہ کی تقریر سے لوگوں کے خیالات
آپ سے برگشتہ ہو جائیں۔ عثمان رضی اللہ عنہ سنے اس کے جواب میں لکھا
کہ اون کو مدینہ بھیجدو۔ چونکہ معاویہ رضؓ کو اون سے مخالفت ہو گئی تھی بطور
سزا ایسے اونٹ پر سوار کر کے روانہ کیا جسپر صرف لکڑیوں کا کجا وہ تھا جس سے
آپ کے پاؤں سخت زخمی ہوئے یہانتک کہ لوگوں سنے کہا شاید ان زخموں
سے آپ مرجائیں گے۔ کہا یہ ممکن نہیں جب تک میں کئی شہروں سے نہ
نکالا جاؤں۔ اس کے بعد بہت سے پیش آنے والے واقعات بیان کر کے
اپنی تجہیز وتکفین و دفن کرنے والوں کے نام تک بتادے۔ اس اثنا میں
ابو العاص کی اولاد کے بھی کچھ حالات بطور پیشین گوئی بیان کئے۔ اتفاقاً
اوسی روز عبد الرحمٰن بن عوف کے ترکہ کے دراہم عثمان رضی اللہ عنہ
کے روبرو لائے گئے جن کی ڈھیری قد آدم سے اونچی تھی۔ عثمان رضی اللہ
عنہ سنے بطور ذکر محاسن فرمایا کہ عبد الرحمٰن اچھے شخص تھے مجھے امید ہے کہ
اون کی حالت اچھی ہو گی کیونکہ وہ صدقات دیتے اور مہمان داری
کرتے تھے۔ کعب احبار نے کہا کہ اے امیر المومنین! آپ سچ کہتے ہیں
یہ سنتے ہی ابو ذر رضی اللہ عنہ سنے ایک لاٹھی اون کے سر پر رسید کی

اور کہا کہ اے یہودی کے لونڈے! وہ شخص جو مرگیا اور اتنا مال چھوڑگیا
اوس کی نسبت یقینی طور پر کہتا ہے کہ خدا نے خیر دنیا اور خیر آخرت اوسکو
دی حالانکہ خود میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے جو فرماتے
تھے کہ مجھے یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ میں مروں اور ایک قیراط کے برابر
مال چھوڑ دوں۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے اون کی یہ حرکت دیکھکر کہا کہ اب
آپ یہاں سے اور کہیں تشریف لیجائیں کہا میں مکہ کو جاتا ہوں تاکہ خدا کے
گھر سے فائدہ اوٹھاؤں اور عبادت میں مشغول رہوں یہانتک کہ وہیں مرجاؤں
کہا یہ نہیں ہوسکتا۔ کہا شام کو جاؤں۔ فرمایا نہیں۔ کہا بصرہ کو۔ کہا ان
شہروں کے سوا اور کوئی مقام تجویز کیجئے کہا اگر مجھے دارالہجرت یعنی مدینہ
ہی میں رہنے دیں تو پھر مجھے کسی شہر کو جانے کی ضرورت نہیں اور جب
آپ یہ نہیں چاہتے تو جہاں آپ کو منظور ہو روانہ کر دیجئے۔ فرمایا میں
تمہیں ربذہ کو روانہ کرتا ہوں۔ یہ سنتے ہی اللہ اکبر کا نعرہ مار کر کہا
صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنے حضرت نے سچ فرمایا
تھا۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ حضرت نے کیا فرمایا تھا؟ کہا میں مکہ
اور مدینہ سے روکدیا جاؤں گا اور ربذہ میں مرونگا اور میری تجہیز و تکفین
کے متکفل وہ لوگ ہونگے جو عراق سے حجاز کو جاتے ہونگے۔ اس کے
بعد ابو ذر رضی اللہ عنہ نے اپنا اونٹ منگوایا اور اپنی بیوی اور صاحبزادی

کو اوس پر سوار کر کے ربذہ کی طرف روانہ ہوے۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے مروان کو اون کے ساتھ کر دیا اور فرمایا کہ اون سے کسی کو ملنے نہ دو جب وہ شہر کے باہر ہوے تو علی کرم اللہ وجہہ کو یہ کیفیت معلوم ہوئی آپ اپنے دونوں صاحبزادوں اور بھائی عقیل اور عبداللہ بن جعفر اور عمار بن یاسر کو ہمراہ لیکر اون کی مشایعت کے لئے تشریف لے گئے مروان حائل ہوکر کہا کہ اے علی! امیر المومنین نے مجھے حکم دیا ہے کہ کسی کو اون سے ملنے اور مشایعت کرنے نہ دوں۔ علی رضی اللہ عنہ نے غصہ سے اوس کی سواری کے جانور کو زور سے کوڑا مار کر فرمایا ہٹ کمبخت خدا تجھکو آگ میں ڈالے پھر اوس کی کچھ پرواہ نہ کر کے تھوڑی دور تک ابو ذر رضی اللہ عنہ کے ساتھ گئے اور رخصت کر کے واپس تشریف لائے۔ اِدھر مروان نے جا کر یہ کل واقعات عثمان رضی اللہ عنہ سے کہدیا۔ عثمان رضہ علی کرم اللہ وجہہ کی اس حرکت سے سخت ناخوش ہوے لوگوں نے علی کرم اللہ وجہہ سے کہا کہ امیر المومنین آپ پر نہایت غصہ میں ہیں۔ آپ نے فرمایا اون کا غصہ ایسا ہے جیسے گھوڑا لگام پر غصہ کرتا ہے پھر تھوڑی دیر کے بعد آپ عثمان رضی اللہ عنہ کے یہاں تشریف لے گئے۔ انہوں نے کہا اے علی! تم نے جو مروان کے ساتھ کیا اور مجھ پر جرأت کی اور میرے فرستادہ شخص کو اور میرے حکم کو رد کردیا

اس کی کیا وجہ ؟ علی رضؓ نے کہا مروان مجھے پھیرنا چاہتا تھا میں نے اوس کو پھیر دیا آپکے حکم کو نہیں رد کیا۔ عثمان رضؓ نے کہا تمہیں یہ معلوم نہ تھا کہ میں نے اوسکو حکم دیا تھا کہ کسی کو ابو ذر سے ملنے نہ دے۔ علی کرم اللہ وجہہ نے کہا کیا تم جس بات کو طاعت آلہی سمجھکر حکم دیں وہ حق ہے اور اس کے خلاف باطل ؟ کیا ایسی باتوں میں بھی ہم تمہاری اطاعت کرینگے ؟ خدا کی قسم یہ تو کبھی نہ ہوگا۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا مروان کا بدلہ دو کہ جس طرح تم نے اوس کے جانور کو مارا ہے وہ بھی تمہارے جانور کو مارے۔ علی رضؓ نے کہا اوس کا جانور میرا ہی جانور ہے کہو کہ اوس کو مارا کرے اور خیال رہے کہ اگر وہ مجھ سے سخت کلامی کریگا تو میں اوسی قسم کی سخت کلامی تم سے کرونگا۔ پھر اس قسم کی سخت کلامیاں طرفین سے ہوئیں جس سے عثمان رضی اللہ عنہ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اُٹھ کر گھر میں چلے گئے اور علی کرم اللہ وجہہ اپنے گھر تشریف لائے انتہیٰ ملخصًا۔

ناسخ التواریخ میں بھی یہ واقعہ مع شئے زائد بتفصیل لکھا ہے جس سے ظاہر ہے کہ شیعہ اور سنی دونوں اس واقعہ کے قائل ہیں۔ اب غور کیجئے کہ مروان علاوہ اس کے کہ عثمان رضؓ کا قرابتدار تھا اون کا وزیر بھی سمجھا جاتا تھا۔ ایسے شخص پر حملہ کرنا کوئی معمولی بات نہیں۔ وزیر پر اس قسم کا حملہ کرنا وہ بھی ایسی حالت میں کہ بادشاہ وقت کے حکم کی تعمیل کر رہا ہو

اور اوسکو تعمیل سے روک دینا کیا کسی سے ہوسکتا ہے؟ یہ اسد اللہ الغالب
ہی کی شان تھی کہ ایک ادنےٰ معاملہ میں جو ایک مسلمان شخص کی مشایعت
سے متعلق تھا خلیفۂ وقت سے بگاڑ لیا۔ کیا اس کے بعد بھی یہ قرین قیاس
ہوگا کہ آپ نے دبکر خلافت چھوڑ دی۔ اور اپنی صاحبزادی کے نکاح کے
معاملہ میں خاموش ہوگئے جس کا حال انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ معلوم ہوگا۔

چونکہ یہ مسئلہ ایک معرکۃ الآرا ہے اس لئے اگر مقصود سے زائد بھی اسمیں
خامہ فرسائی کی جائے تو بے موقع نہو گی۔ ابوذر رضی اللہ عنہ کا اس طرح
نکالا جانا گو مسلمانوں کے دلوں پر ایک برا اثر ڈالتا ہے مگر اوس کے
ساتھ یہ بھی دیکھ لیا جائے کہ اون کا یہ اجتہاد کہ ہر مسلمان کا فقیر رہنا ایک
ضروری امر ہے اوس کا اثر کس قدر برا ہوتا۔ تھوڑے لوگ فقیر پسند اور
خوش اعتقاد تو اون کی مان لیتے اور ایک جماعت ہم خیال بن جاتی مگر یہ
ممکن نہیں کہ سب اون کے سے ہو جائیں کیونکہ اون کی طبیعت خاص قسم کی
تھی جیسا کہ اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے جو استیعاب میں ہے
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں ابوذر عیسیٰ علیہ السلام
کے زہد پر ہیں۔ اس تخصیص سے ظاہر ہے کہ سب اون کے جیسے زاہد نہیں
ہوسکتے تھے۔ اس صورت میں ایک بڑی جماعت اون کے مخالف ہو جاتی
کیونکہ نہ قرآن شریف میں ہے نہ حدیث میں کہ ہر آدمی فقیر بنا رہے اگر یہی

بات ہوتی تو زکوٰۃ کا حکم ہی نہ ہوتا کیونکہ زکوٰۃ تو جب واجب ہو کہ ایک سال تک
مال نصاب ملک میں رہے اوس وقت اوس کا چالیسواں حصّہ دینے کا حکم ہے
اور قطع نظر اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی اغنیا موجود
تھے چنانچہ خود عثمان رضی اللہ عنہ اتنے مالدار تھے کہ پورے لشکر کا سامان
کر دیا جس سے حضرت نہایت خوش ہوئے اگر ہر شخص کا فقیر رہنا ضرور ہوتا تو
حضرت اون پر خفا ہو جاتے کہ تم نے اتنا مال کیوں رکھا۔ غرضکہ غنا پسند بھی
ایک جماعت بنجاتی اور دونوں جماعتوں میں سخت ناچاقی ہوتی۔ کیونکہ
ابو ذر رضی اللہ عنہ تو مغلوب الغیظ تھے بغیر لاٹھی کے بات ہی نہیں کرتے
تھے۔ پھر طرفین سے لاٹھی چلتی تو اوس کے بعد شمشیر کی نوبت بھی
پہونچ جاتی۔ اسی فتنہ و فساد کے لحاظ سے عثمان رضی اللہ عنہ نے اونکو
شہروں سے علیحدہ کر دیا اور ایسی جگہ تجویز کی کہ وہاں غنی کا گذر ہی نہو۔
اگر غور سے دیکھا جائے تو اس کی بھی اصل کچھ اور ہی ہے وہ یہ ہے کہ
تقدیر آلہی جاری ہو چکی تھی کہ وہ ربذہ میں رہیں چنانچہ خود اونھوں نے
تصریح کر دی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اون سے کہہ چکے تھے کہ وہ
ربذہ میں رہینگے اس پیشین گوئی کے پوری ہونیکے لئے اونسے ایسے امور
وقوع میں آنے کی ضرورت تھی کہ عثمان رضی اللہ عنہ مجبور ہو کر کہیں روانہ
کر دیں۔ پھر اوس مقام کی تعیین میں نہ اون کی درخواست تھی نہ اور کوئی

سبب بلکہ منجانب اللہ اون پر القا ہو گیا ۔ ورنہ عجم یا افریقہ کے کسی جنگل میں روانہ کر دیتے ۔ غرضکہ ہوتا وہی ہے جو منظور الٰہی ہے اور ظاہر میں اسباب قائم کر دئیے جاتے ہیں ۔ اسی پر جتنے وقائع صحابہؓ کے زمانہ میں پیش آئے سب کو قیاس کر لیجئے ۔

حال وفات ابوذرؓ

اب ابو ذر رضی اللہ عنہ کی وفات کا حال بھی سن لیجئے ۔ تاریخ کامل میں لکھا ہے کہ ۳۲ھ میں جب آپ کے انتقال کا وقت قریب پہونچا تو آپ نے اپنی صاجزادی سے فرمایا کیا کوئی آتا ہوا نظر آرہا ہے ؟ کہا نہیں ۔ فرمایا ابھی میرا وقت نہیں آیا ۔ پھر فرمایا ایک بکری ذبح کر کے اوس کا گوشت پکا لو اور فرمایا کہ قریب میں صلحا کی ایک جماعت آئیگی اور وہ لوگ مجھے دفن کرینگے جب وہ دفن سے فارغ ہو جائیں تو اون سے یہ کہنا کہ ابو ذر آپ لوگوں کو قسم دے گئے ہیں کہ جب تک آپ کھانا نہ کھائیں سوار نہ ہو ویں ۔ جب گوشت پک گیا فرمایا دیکھو تو کوئی آتا ہوا نظر آتا ہے ؟ عرض کی جی ہاں کئی سوار آرہے ہیں فرمایا اب مجھے قبلہ رو بٹھا دو جب بٹھا دیے گئے تو یہ الفاظ کہے بسم اللہ

وباللہ وعلی ملۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور یہ جملہ ختم ہونے ہی روح پاک عالم علوی کی طرف پرواز کر گئی اور انتقال ہو گیا صاجزادی اوس جماعت کی طرف گئیں اور اون سے کہا کہ خدا آپ لوگوں پر رحم کرے ابو ذر کی تجہیز و تکفین کر دیجئے کہا وہ کہاں ہیں اشارہ سے بتلا دیا

اونہوں نے کہا الحمد للہ خدائے تعالے نے ہمیں یہ کرامت بخشی کہ ہم اون کی نماز میں شریک ہو گئے۔ اوس جماعت میں عبد اللہ بن مسعود وغیرہ کئی صلحا تھے ابن مسعود رضہ نے رو کر کہا کہ سچ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یموت وحدہ ویبعث وحدہ یعنے ابو ذر تنہا مرینگے اور تنہا اوٹھینگے پھر غسل دیکر اون کو کفن دیا اور نماز پڑھی اور دفن کرکے جب جانے لگے تو صاحبزادی نے فرمایا کہ انہوں نے آپ کو قسم دی ہے کہ یہاں کھانا کھا کر جائیں چنانچہ کھانا بھی تیار ہے انہوں نے خوشی سے قبول کیا اور بعد فراغت روانہ ہوئے۔

کلام علی کرم اللہ وجہ کی شجاعت میں تھا اور واقعہ مذکورہ سے ثابت ہو گیا کہ چھوٹے چھوٹے اجتہادی امور میں بھی آپ پر خلیفہ وقت کا رعب نہیں ہوتا تھا اور سلطنت کے مقابل ہو جاتے تھے۔

ناسخ التواریخ صفحہ (۴۱۸) میں لکھا ہے کہ جنگ صفین میں صرف ایک رات جو اپنے ہاتھ سے لشکر شام کو علی کرم اللہ وجہہ نے قتل کیا بروایت سمعانی معاویہ رضی اللہ عنہ کے قول سے ثابت ہے کہ وہ نوسو سے زیادہ آدمی تھے۔

اب خیال کیجئے کہ نوسو آدمی کم نہیں ہوتے۔ اگر بلا مزاحمت اتنے آدمیوں کو کوئی شخص باندھکر قتل کرے تو بھی اوس کا ہاتھ یاری نہ دیگا

پھر عین معرکۂ جنگ میں اور وہ بھی ایسے وقت کہ ایک فوج جرار کا مقابلہ
ہو جس میں سے ہر شخص کا یہ خیال کہ اگر آپ کو مار لے تو فیصلہ ہو جائے اور
ہر طرف سے شمشیر و تیر کا مینہ برس رہا ہو ایسی حالت میں اپنے آپ کو بچا کر
اتنے لوگوں کو قتل کرنا کیا سوائے اسد اللہ الغالب کے دوسرے سے ممکن
ہے؟ ہرگز نہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت آیۃ من آیات اللہ تھے
مواہب لدنیہ اور اوس کی شرح زرقانی میں یہ روایت منقول ہے
کہ علی کرم اللہ وجہہ نے جنگ خیبر میں قلعہ کا دروازہ اکھاڑ کر اوس سے
سپر کا کام لیا وہ دروازہ اتنا سنگین تھا کہ ستر آدمیوں نے بڑی مشقت سے
اوسکو حرکت دی۔ دیکھئے قلعہ کا دروازہ اتنا بڑا کہ ستر آدمیوں سے ہل سکے
وہ بھی پڑا ہوا نہیں بلکہ اپنی جگہ پر منصوب اوسکو اکھاڑ کر سپر بنانا کیا معمولی
طاقت انسانی کا کام ہے؟ ہرگز نہیں۔

ناسخ التواریخ صفحہ (۲۱۶) میں لکھا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ مقام رفیع
میں لب فرات اپنے لشکر میں بیٹھے تھے کہ علی کرم اللہ وجہہ کا لشکر پہونچا۔ معاویہؓ
نے عمرو بن العاصؓ سے کہا کہ دیکھو ابو الحسن کا لشکر نہایت آراستہ و پیراستہ
چلا آرہا ہے۔ عمرو بن العاصؓ نے کہا اے معاویہؓ! اب آمادۂ جنگ ہو جاؤ
سخت مصیبت کا سامنا ہے تم نہیں جانتے کہ علی بن ابی طالبؓ کیسے
کیسے شخص ہیں۔ خدا کی قسم اگر تمام لشکر شام ایک دل ہو کر اون کا مقابلہ کرے

اور وہ تن تنہا ہوں تو بھی اون کو کچھ خوف نہو گا اور بلا خوف وہراس سب سے لڑینگے اور فتح پائیں گے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے لکھا یہ درست ہے مگر آدمی کو چاہیئے ہمت نہ ہارے۔ دیکھئے دشمن جب آپ کی اس قدر شجاعت مان گئے ہوں تو فی نفسہ کیا حال ہو گا۔ نہج البلاغہ صفحہ (۵۰۴) میں علی کرم اللہ وجہہ کا قول نقل کیا ہے واللہ لو تظاہرت العرب علی قتالی لما ولیت عنہا یعنے خدا کی قسم اگر تمام عرب ایک دوسرے کی مدد کرکے مجھ سے جنگ کرنا چاہیں تو میں ہرگز اون سے منہ نہ موڑوں گا انتہے۔ اب کہیئے کیا اس شجاعت کا یہ لازمہ ہو سکتا ہے کہ کوئی اپنا حق شرعی چھین لے اور منھ دیکھتے رہ جائیں؟ یا اپنی صاحبزادی کو معاذ اللہ کوئی غصب کرلے اور دم نہ مار سکیں۔ غرضکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی سے آپکی معرکہ آرائیاں اور کارہائے نمایاں اس درجہ تک پہونچ گئے تھے کہ آپ کی شجاعت شہرۂ آفاق تھی۔ اب کہیئے کیا ایسے شجیع اور زور آور اس قدر نعوذ باللہ بزدل ہوئے ہونگے؟ کہ معاذ اللہ عمر رضی اللہ عنہ کی اوس ناشایستہ حرکت سے کچھ جنبش نہ ہوئی ہوگی؟ اور کیا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے یہ اقرار کرلیا ہو گا کہ ہمارے خاندان کی .... کا معاذ اللہ یہ پہلا غصب تھا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اوس کے بعد معاذ اللہ اس فعل شنیع کا سلسلہ قائم ہو گیا اور کئی .... معاذ اللہ غصب ہوئے۔ انصاف کی بات یہ ہے کہ

جس شخص کی نظر کتب تواریخ میں اہل بیت کرام کے حالات پر پڑی ہو وہ کبھی ان روایتوں کو صحیح نہیں سمجھ سکتا گو کسی مذہب و ملت کا آدمی ہو میری دانست میں اس قسم کی روایتوں کا موجد اور باعث عبداللہ بن سبا معلوم ہوتا ہے جسکی بے دینی اور فتنہ انگیزی اور الحاد و زندقہ حضرات شیعہ اور اہل سنت کے نزدیک مسلّم ہے۔

ناسخ التواریخ کی جلد سوم صفحہ (۶۱۶) میں لکھا ہے کہ علی علیہ السلام جب معجزہ ظاہر کرنے اور غیب کی خبر دینے لگے تو ایک کوتاہ نظر جماعت اون کی الوہیت کی قائل ہو گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشتر ہی یہ خبر دی تھی کہ یهلك فيك محب غال ومبغض غال یعنے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اے علی! تم سے جو حد سے زیادہ محبت رکھیگا وہ بھی ہلاک ہوگا اور جو حد سے زیادہ عداوت رکھیگا وہ بھی ہلاک ہوگا اور امیر المومنین علیہ السلام بھی فرمایا کرتے تھے کہ یهلك فی رجلان محب مطر یضعنی غیر موضعی ویمدحنی بما لیس فی ومبغض مفتر یرمینی بما انا منه بریٔ یعنے میری وجہ سے دو قسم کے لوگ ہلاک ہوں گے۔ ایک وہ دوست جو حق بات قبول نکرے اور جس مقام میں میں نہیں ہوں اوسمیں مجھے قائم کرے اور جو باتیں مجھ میں نہیں ہیں وہ میری مدح میں بیان کرے دوسرا بغض رکھنے والا مفتری جو ایسے الزام مجھ پر لگائے جن سے میں بری ہوں

ماننے اور سنی قریب ہے مگر نہ ایسے

معیار محبت و عداوت علی کرم اللہ وجہہ

امیرالمومنین علی علیہ السلام جب قتل خوارج سے فارغ ہو کر واپس آ رہے تھے
تو ایک جماعت کو دیکھا کہ ماہ رمضان میں کھانے پینے میں مشغول ہیں اون سے
پوچھا کیا تم مسافر ہو؟ یا بیمار؟ کہا دونوں نہیں فرمایا اگر اہل کتاب سے ہو تو
جزیہ دیکر ان مواخذوں سے چھوٹ جاؤ کہا ہم اہل کتاب نہیں ہیں عبداللہ
بن سبا جو فرقۂ غالیان شیعہ کا پہلا شخص ہے اوس نے کہا کہ انت انت
یعنی آپ آپ ہی ہو یعنے ہم جانتے ہیں کہ آپ کچھ اور ہی ہو مطلب یہ کہ
آپ خدا ہو امیرالمومنین علیہ السلام عملی طور پر اپنی عبودیت ثابت کرنے کیلئے
سواری سے اوترے اور زمین پر سجدہ کیا۔ پھر فرمایا اے کم بختو! میں بھی خدا
کا ایک بندہ ہوں خدا سے ڈرو اور تجدید اسلام کرو اون لوگوں نے انکار کیا
پھر آپ نے یہی فرمایا مگر اونہوں نے قبول نہ کیا آخر آپ سوار ہوے اور
حکم دیا کہ اون کی مشکیاں باندھکر مقام تک لے چلیں جب منزل کو پہونچے
تو فرمایا نزدیک نزدیک دو گڑھے کھودے جائیں ایک کھلا ہوا دوسرا بند اور
دونوں کے بیچ میں راستہ رہے پھر جو گڑھا بند تھا اوس میں اوس جماعت کو
داخل کر کے بازو کے گڑھے میں لکڑیاں سلگائیں جس کا دھواں اوس گڑھے
میں بھر گیا مگر اس عذاب کا اون پر کچھ اثر نہوا اور باوجودیکہ بار بار اونکو کہا جاتا
تھا کہ توبہ کر لو تو تمہیں چھوڑ دیتے ہیں مگر اونہوں نے اوس پر کچھ توجہ نہ کی
یہانتک کہ جب آگ کی حرارت سخت ہوئی اور موت اون کی آنکھوں میں

پھر گئی تو اوسوقت امیر المومنین سے خطاب کر کے کہا کہ اب ہمیں یقینی طور پر
ظاہر ہو گیا کہ آپ اللہ ہو کیونکہ آپ کے چچیرے بھائی جن کو آپ نے نبی
بنا کر بھیجا تھا اونہوں نے کہا ہے کہ سوائے رب النار کے یعنے اللہ کے
کوئی دوسرا آگ سے عذاب نہ دیگا اور جب آپ آگ سے عذاب کر رہے
ہیں تو ثابت ہو گیا کہ آپ اللہ ہو اور یہی کہتے ہوے جل کر خاکِ سیاہ
ہو گئے لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ایک جماعت نے عبداللہ بن سبا
کی سفارش کی کہ وہ اپنے کئے پر نادم ہو گیا ہے معاف کر دیا جائے آپنے
ان کی سفارش اس شرط پر قبول کی کہ وہ کوفہ میں نہ رہے بلکہ مداین
کو چلا جائے چنانچہ وہ چلا گیا اور مدائن ہی میں رہا پھر جب امیر المومنین
علیہ السلام شہید ہوئے تو اپنے اعتقادات کو ظاہر کرنا شروع کیا اور لوگ اسکی
پیروی کرنے لگے چنانچہ امیر المومنین علیہ السلام کی شہادت کے بعد کہا کہ
خدا کی قسم اگر ستر تھیلیوں میں علی علیہ السلام کا دماغ لاؤ گے تو بھی ہم یقین نہ کرینگے
کہ وہ مر گئے وہ ہرگز نہ مرینگے جب تک کہ عرب کو ایک لکڑی سے نہ ہانکیں گے
انتہے ملخصًا۔

اس سے ثابت ہے کہ اوس جماعت کا سرغنہ اور مقتدا عبداللہ بن سبا
تھا جو آگے بڑھکر علی کرم اللہ وجہہ سے ہمکلام ہوا اور چند لوگوں کو اس
غرض سے قتل کرا دیا کہ عوام الناس مسلمانوں کے نزدیک آپ کی الوہیت

ابتدا الوہیت علی کا بانی عبداللہ بن سبا

صرف اس دلیل سے مسلم ہو جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جاندار کو آگ میں جلانے سے منع فرمایا تھا کیونکہ دوزخ میں جلا کر عذاب دینا صرف خدائے تعالیٰ ہی کا کام ہے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ صرف اس دلیل سے کسی کی الوہیت ثابت ہو جائیگی؟ مگر اوس نے دیکھا کہ جب اتنے لوگ (جنکی تعداد ستر تھی جیسا کہ بحار الانوار صفحہ (۲۴۳) میں لکھا ہے) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی محبت کا اظہار کر کے جرم عشق میں مارے جائیں گے اور موت بھی کیسی؟ جو بحسب حدیث الوہیت پر دلیل بنائی گئی تو یہ واقعہ بغیر اثر کئے نہ رہے گا۔ چونکہ طبائع مختلف ہوتے ہیں بعضے سادہ لوح تو آپ کی الوہیت ہی کے قائل ہو جائیں گے اور بعض یہ سمجھ جائیں گے کہ انہوں نے فرط محبت سے خدا کہدیا اقلاً نبوت میں تو ضرور شریک ہونگے جیسے ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کی نبوت میں شریک تھے اور بعضے اس افراط کو بھی پسند نہ کرینگے تو اس کے تو ضرور قائل ہونگے کہ آپ وصی ہونے کی وجہ سے خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور تھے۔ غرضکہ یہ شخص بڑا ہی ہوشیار تھا جن امور کو پیش نظر رکھا تھا اون کا ویسا ہی ظہور ہوا چنانچہ بحار الانوار صفحہ (۲۴۵) میں قائلین الوہیت علی کرم اللہ وجہہ کے قتل و احراق کا واقعہ بیان کر کے لکھا ہے ثم احیا ذلک رجل اسمہ محمد بن نصیر النمیری البصری ان اللہ لم یظہر الا فی ہذہ العصر و انہ

علی وحدہ فالشرذمۃ النصیریۃ ینتمون الیہ وھم قوم اباحیۃ

ترکوا العبادات والشرعیات واستحلوا المنہیات والمحرمات

ومن مقالتہم ان الیہود علی الحق ولسنا منہم والنصاری علی الحق

ولسنا منہم یعنے فرقہ نصیریہ جو محمد بن نصیر کی طرف منسوب ہے وہ قائل

ہے کہ اللہ تعالیٰ اس زمانہ میں ظاہر ہوا اور علی اللہ تھے اون لوگوں نے

عبادت اور شریعت کو بالکل ترک کردیا اور تمام محرمات اور منہیات کو حلال

کردیا ان کا قول ہے کہ یہود و نصارے سب حق پر ہیں مگر ہم وہ لوگ

نہیں انتہے۔

اس فرقہ نے بھی ابن سبا کی تقلید کی کیونکہ ابھی معلوم ہوا کہ جو لوگ

آپ کی الوہیت کے قائل تھے جن کو آپ نے قتل کیا وہ رمضان میں علانیہ

کھاتے پیتے تھے۔

ابن سبا ظاہر اسلمان تو ہو گیا تھا مگر اوسکو مسلمان ہرگز نہیں کہہ سکتے

یقیناً وہ یہودی اور منافق تھا کیونکہ کوئی مسلمان یہ نہیں کہہ سکتا کہ علی

رضی اللہ عنہ خدا تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ نے نبی بنا کر

بھیجا تھا جسکے وہ اور اوس کے کمیٹی کے لوگ قائل تھے۔ بحار الانوار صفحہ

(۳۴۵) میں بسند یہ روایت ہے عن عبد اللہ بن سنان عن ابیہ

عن ابی جعفر علیہ السلام ان عبد اللہ بن سبا کان یدعی النبوۃ

ویزعم ان امیر المومنین علیہ السلام ھو اللہ تعالیٰ عن ذلك

یعنے ابو جعفر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن سبا نبوت کا دعوی کرتا

تھا اور کہتا تھا کہ امیر المومنین علی علیہ السلام اللہ ہیں تعالی اللہ عن ذلک

علواً کبیراً اور بحار الانوار صفحہ (۲۴۵) میں یہ روایت بھی ہے عن ابان بن

عثمان قال سمعت اباعبد اللہ علیہ السلام یقول لعن اللہ

عبد اللہ بن سبا ادعی الربوبیۃ فے امیر المومنین یعنے

ابان بن عثمان کہتے ہیں کہ ابو عبداللہ امام حسین علیہ السلام سے میں نے

سنا ہے جو فرماتے تھے کہ خدا عبداللہ بن سبا پر لعنت کرے کہ امیر المومنین

علیہ السلام کی ربوبیت کا قائل تھا۔

الحاصل کتب شیعہ سے بھی ثابت ہے کہ عبداللہ بن سبا یہودی تھا

اور اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اوس پر لعنت کی ہے اور

علی کرم اللہ وجہہ نے اوسکو جلانے کا حکم دیا تھا کیونکہ اگر تھوڑی محبت

بھی اوسکو ہوتی تو وہ قابل لعنت نہ ہوتا بلکہ بمقتضائے احادیث محبت

اہل بیت مرحوم اور محبوب ہوتا۔ اب آپ سمجھ سکتے ہیں کہ جو دشمن دوستی کے

پیرایہ میں ظاہر ہوتا ہے وہ کس قدر فتنہ انگیز اور قابو جو ہوتا ہے اور دینا

کے کیسے کیسے تدابیر سوچتا ہے ؟ اسی دشمنی کا یہ اثر تھا کہ اس قسم کی روایتیں

تراشیں۔ جن میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نسبت یہ الزام قائم کر دیا کہ

خلیفۂ وقت نے زبردستی آپ کی صاحبزادی کو نعوذ باللہ چھین لیا اور غصب
کیا اور آپ منھ دیکھتے رہ گئے۔ کیا کوئی مسلمان اوس زمانہ میں یہ الزام
اسد اللہ الغالب پر لگا سکتا تھا؟ معاذ اللہ حضرت تو کیا حضرت کے
غلام از خود رفتہ ہو کر معلوم نہیں اوس کا کیا انجام کرتے؟ اس سے ثابت
ہے کہ اس قسم کی روایتیں آپ کی وفات کے بعد کی بنائی ہوئی ہیں اور
یہودی کو نہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی محبت سے کام تھا نہ عداوت سے
بلکہ اوس کی اصل دشمنی یہودیت کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
اور دین اسلام کے ساتھ تھی۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی محبت
کو شکار کی ٹٹی بنا کر مختلف طریقوں سے عداوت کا اظہار کیا دیکھئے باوجود
ابن سبا کا یہودی اور ملعون ہونا خود حضرات شیعہ کی تصریحات سے
ثابت ہے مگر اوس زمانہ کے بعض بھولے مسلمان اوس کے دام میں آگئے
چنانچہ ناسخ التواریخ سے ابھی معلوم ہوا کہ علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے
بعد اوس نے اپنے عقیدہ کو ظاہر کرنا شروع کیا اور لوگ اوس کی پیری
کرنے لگے خدا ایسے لوگوں سے محفوظ رکھے کہ اچھوں کے لباس میں آکر
مکر پھیلاتے ہیں۔ اور مسلمانوں کے دین و دنیا کو غارت کرتے ہیں مولانا روم
رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں شعر

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست — پس بہر دستے نباید داد دست

نہج البلاغہ جلد دوم صفحہ (۱۸) میں علی کرم اللہ وجہہ کا قول نقل کیا ہے قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی لا اخاف علی امتی مومنا ولا مشرکا اما المومن فیمنعہ اللہ بایمانہ واما المشرک فیقمعہ اللہ بشرکہ ولکنی اخاف علیکم کل منافق الجنان عالم اللسان یقول ما تعرفون ویفعل ما تنکرون یعنے علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ مجھے اپنی اُمت پر کسی مومن اور مشرک سے خوف نہیں ہے اس لئے کہ مومن کو اوس کے ایمان کی وجہ سے خدائے تعالے گمراہ کرنے سے روکدیگا اور مشرک کے فساد کو اوس کی شرک کی وجہ سے اکھیڑ دیگا (کیونکہ لوگ جب جان لینگے کہ وہ مشرک ہے تو وہ اوس کے دام میں نہ آئیں گے) لیکن اے مسلمانو! مجھے خوف ہے تو ایسے لوگوں سے ہے جن کے دل میں نفاق ہو یعنے منافق ہوں اور زبان سے ایسے علم کی باتیں کہیں جو تم جانتے ہو اور کام ایسے کریں جو تم جانتے نہیں انتہی۔

خاص علی کرم اللہ وجہہ سے یہ ارشاد فرمانے کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ ابن سبا کے طرف اشارہ مقصود تھا کیونکہ اوس کا یہی حال تھا کہ اہل بیت کی محبت ظاہر کرکے وہ کام کر رہا تھا کہ مسلمانوں کو گمراہ اور دین کو تباہ کرے جس طرح بولس صاحب یہودی نے تقدس ظاہر کرکے عیسٰی علیہ السلام کے

دین میں تفرقہ ڈالا جسکا تھوڑا سا حال لکھا جاتا ہے۔

علامہ خیر الدین افندی الوسی نے الجواب الفسیح میں اسلامی و نصاریٰ کے تواریخ سے نقل کیا ہے کہ عیسےٰ علیہ السلام کے رفع کے بعد جب عیسائیوں کی حقانی پُراثر تقریریں یہود کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنے لگیں اور یہودی جوق جوق عیسوی دین قبول کرنے لگے تو پولس صاحب جو یہود کا بادشاہ تھا کل عیسائیوں کو شام کے ملک سے خارج کردیا مگر جب دیکھا کہ اس سے بھی کچھ فائدہ نہوا اور عیسویت ویسی ہی ترقی پذیر ہے تو مجبور ہو کر اراکین دولت سے کہا کہ یہ فتنہ روز افزوں ترقی کر رہا ہے اور اوس کے فرو ہونے کی کوئی تدبیر نہیں بنتی۔ اب میں ایک رائے سوچا ہوں خواہ وہ اچھی ہو یا بُری تم میری موافقت کرو اونہوں نے قبول کیا اون سے اوس نے معاہدہ لیکر سلطنت سے علیحدہ ہو عیسائیوں کا لباس پہن اونمیں چلا گیا اونہوں نے اس حالت میں اوسکو دیکھتے ہی خدا کا شکریہ ادا کیا اور بہت کچھ آو بھگت کی اوس نے کہا کہ اکابر قوم کو جلد جمع کرو میں کچھ اون سے کہنا چاہتا ہوں سب فوراً جمع ہوگئے اوس وقت اوس نے یہ تقریر کی کہ جب تم لوگوں کو میں نے شام سے نکالدیا تو مسیح نے مجھ پر لعنت کی اور میری سماعت۔ بصارت اور عقل سب چھین لی جس سے میں اندھا۔ بہرا اور دیوانہ ہوگیا اس حالت میں مجھے متنبہ اور یقین ہوا کہ بیشک سچا دین وہی ہے

جس پر تم ہو۔اب میں بفضلہ تعالےٰ اپنے باطل دین اور دنیائے فانی کی سلطنت کو چھوڑ کر تمہاری رفاقت اور فقر و فاقہ کو سعادت ابدی جانتا ہوں اور عہد کر لیا ہوں کہ بقیہ عمر توریت کی تعلیم اور اہل حق کی صحبت میں بسر کروں۔ آپ صاحبوں سے میری اس قدر خواہش ہے کہ ایک چھوٹا سا گھر بنادو جس میں میں عبادت کیا کروں اور اس میں بجائے بستر راک بچھادو میں نہیں چاہتا کہ عمر دو روزہ میں کسی قسم کی آسایش حاصل کروں یہ کہہ کر توریت کی تلاوت اور اوس کی تعلیم میں مشغول ہو گیا۔

یہ امر پوشیدہ نہیں کہ اگر کسی بستی کا زمیندار ایسے حقانی پرجوش الہامی کلمات کہے اور حالت موجودہ بھی کسی قدر اوس کی تصدیق کرتی ہو تو طبیعتوں میں ایک غیر معمولی جوشش پیدا ہو جاتا ہے۔ چہ جائیکہ بادشاہ وقت سلطنت ترک کر کے زمرۂ فقرا میں داخل ہو جائے اور منشاء اوس کا ایک زبردست الہام بیان کرے جس نے تخت و تاج شاہی سے لباس فقر و بستر خاک پر قانع کر دیا اور حالتِ موجودہ بھی از سر تا پا اوس کی تصدیق کر رہی ہو تو پھر اوس زمرۂ فقرا میں کس کا دل ایسا ہو گا کہ جان و مال اوس پر فدا کرنے پر آمادہ نہ ہو غرضکہ عبادت خانہ فوراً تیار ہو گیا اور اوسمیں اوس نے عزلت اختیار کی دوسرے روز جب سب معتقدین جمع ہوئے تو دروازہ کھلا اور نہایت شان و شوکت سے برآمد ہوئے آنکھوں میں خمار

لب پر آ سرد، آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی، حالت مستانہ اور نہایت پرجوش لہجہ میں تقریر شروع کی۔ اثنائے تقریر میں کہا کہ ایک بات میرے خیال میں آتی ہے اگر مناسب سمجھو تو قبول کرو سب ہمہ تن گوش ہو گئے۔ کہا جتنی جہان کو روشن کرنے والی چیزیں عالم غیب سے آتی ہیں وہ اللہ کے حکم سے آتی ہیں کیا یہ بات سچ ہے؟ سب نے کہا جی ہاں یقیناً سچ ہے کہا میں صبح و شام دیکھتا ہوں کہ آفتاب ماہتاب وغیرہ نجوم و کواکب سب مشرق کی طرف سے نکلتے ہیں اس لئے میری رائے میں قبلہ بنانے کے لئے مشرق سے بہتر کوئی سمت نہیں۔ نماز اسی طرف پڑھنی چاہیئے۔ سب نے بطیب خاطر آمنّا و صدّقنا کہکر بیت المقدس کو خیرباد کہدیا جو تمام انبیا کا قبلہ تھا۔ جب نہایت آسانی سے یہ معرکہ طے ہو گیا تو پھر عبادت خانہ میں تشریف لے گئے اور دو روز تک خلوت ہی میں تشریف رکھے تاکہ عشاق دیدار کی آتش شوق خوب مشتعل ہو سب معتقدین کو سخت تشویش ہوئی اور تیسرے روز جب اونکا ہجوم ہوا تو برآمد ہو کر نئے نئے افادات و تحقیقات شروع کئے اثنائے تقریر میں بعد تمہید فرمایا کہ مجھے ایک اور بات سوجھی ہے سب تحقیق جدید سننے کے تو پہلے ہی سے مشتاق تھے یہ مژدہ سن کر سنبھل بیٹھے اور ہمہ تن گوش ہو گئے فرمایا کیا یہ بات سچ ہے کہ جب کوئی معزز شخص کسی معمولی آدمی کے پاس ہدیہ بھیجے اور وہ قبول نہ کرے تو اوسکی کسر شان ہوتی ہے؟ سب نے کہا بیشک نہایت درجہ کی کسر شان ہے۔ کہا

جتنی چیزیں زمین اور آسمان میں ہیں خدائے تعالٰے نے سب تمہارے ہی لئے
بنائی ہیں ایسے ہدیہ کو رد کر دینا یعنے بعضے اشیاء کو حرام سمجھنا کیسی گستاخی ہے
عقیدتمندی یہی ہے کہ جتنے چھوٹے بڑے حیوانات ہیں سب کو شوق سے
کھانا چاہیئے سب نے آمنّا وصدّقنا کہکر نہایت خوشی سے وہ بھی قبول کرلیا
جب اس میں بھی کامیابی ہوگئی تو اون مریدان راسخ الاعتقاد حق پسند کی
تحسین وآفرین کرکے رونق افروز خلوت سرائے خاص ہوئے اور تین دن
تک وہیں رہے۔ جس سے عقیدتمندوں کو سخت پریشانی اور ملاقات کا نہایت
شوق ہوا۔ چوتھے روز دروازہ کھول کر مشتاقانِ دیدار کو تسلّی دی اور پھر پوچھا
کہ تم نے سنا ہے کہ کوئی آدمی مادرزاد اندھے کو بینا اور ابرص کو چنگا اور مردونکو
زندہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا یہ ممکن نہیں۔ کہا دیکھو مسیح یہ سب کام کرتے تھے
اس لئے میں تو یہی کہونگا کہ مسیح آدمی نہ تھا خود اللہ تعالٰی تھا جو چند روز تم
لوگوں میں ظاہر ہوکر چھپ گیا یہ سنتے ہی خوش اعتقادوں کے نعرے آمنّا و
صدّقنا کے ہر طرف سے بلند ہوئے اور سوائے معدودے چند کے سب نے
بالاتفاق کہدیا کہ بیشک مسیح آدمی نہ تھا۔ غرض تین ہی معرکوں میں اوس نے
میدان مارلیا اور سب کو خسر الدنیا والآخرہ کا مصداق بناکر ایک نئی سلطنت
اور مذہب قائم کرلیا۔

یہ حیرت کا مقام ہے کہ اون سادہ لوحوں نے یہ بھی نہ پوچھا کہ

حضرت آپ کو عیسائی ہونے کا دعوےٰ ہے پھر یہ مخالف باتیں کیسی ؟ آخر ہم بھی اپنے نبی کے کلام اور اون کے طریقہ سے واقف ہیں کبھی اس قسم کی بات اون سے نہیں سُنی اور اگر یہ الہامات ہیں تو جس نبی کے امتی ہونے کا دعوےٰ ہے اوس کے طریقہ کے مخالف الہام کیسے ؟ بہر حال جدّت پسند طبائع حسن ظن کر کے اوس کے مکر و تزویر کے دام میں پھنس گئے۔ مگر ایک شخص کامل الایمان جسکا شمار اون لوگوں میں تھا جن کو اس زمانہ کی اصطلاح میں لکیر کے فقیر کہا کرتے ہیں اُٹھ کھڑا ہوا اور سب کو مخاطب کر کے کہا تم پر خدا کی مار اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ یہ کمبخت تمہارا دین بگاڑنے کو آیا ہے۔ ہم نے خود مسیح علیہ السلام کو دیکھا ہے۔ کبھی اون سے اس قسم کی باتیں نہیں سنیں مگر ایک شخص کا کہنا نقّار خانہ میں طوطی کی آواز تھی کسی نے نہ سنا۔ آخر وہ بزرگ اپنے چند رفقا کو لیکر علیحدہ ہو گئے۔

کتب تواریخ سے ثابت ہے کہ کوئی زمانہ ایسا نہ گذرا ہو گا جو ایسے لوگوں سے خالی ہو۔ اسی زمانہ کو دیکھ لیجئے کہ کیسے کیسے مذاہب لوگ ایجاد کرتے جاتے ہیں اکثر سنا جاتا ہے کہ بعض متصوّفہ اپنے خاص مریدوں کو تعلیم دیتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بشر اور خدا کے بندے نہ تھے بلکہ خود خدائے تعالیٰ حضرت کی شکل میں آیا تھا اس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عبدہٗ و رسولہٗ کہنا کسر شان نبوی ہے۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو ان حضرات نے بھی وہی کیا جو

بولس صاحب نے کیا تھا۔ اور کہتے ہیں کہ بزرگانِ دین ہمہ اوست کے قائل ہیں اس لئے نماز و روزہ وغیرہ عبادات سب فضول ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو یہ حضرات بولس صاحب سے بھی فائق نکلے اس لئے کہ اونہوں نے صرف قبلہ کو بدلا تھا یہاں تو سرے سے عبادت ہی ساقط ہے اس لئے قبلہ بدلنے کی ضرورت ہی نہ رہی۔ یہ کوئی نہیں پوچھتا کہ حضرت سارا عالم خدائے بیچون ہی تو خدائے تعالیٰ کو تکلیف کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں تشریف لانے اور قرآن اُتارنے کی کیا ضرورت جو اوامر و نواہی اور وعدوں اور وعیدوں سے بھرا ہوا ہے۔ پھر اگر ماں بہن سے لوگ نکاح کریں اور مردار وغیرہ کھایا کریں تو کون پوچھنے والا ہے۔ اسی طرح ابن سبا جو باتفاق شیعہ اور سنی یہودی بے دین اور مخربِ دینِ اسلام تھا وہی کام کیا جو بولس صاحب نے کیا تھا بلکہ غور سے دیکھا جائے تو ابنِ سبا ہوشیاری میں بڑھا ہوا نظر آئیگا اس لئے کہ بولس صاحب سے باوجود سلطنت کے یہ نہو سکا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں اون کی الوہیت ذہن نشین کریں اور ابن سبا نے علی کرم اللہ وجہہ کی زندگی ہی میں یہ مسئلہ لوگوں کے ذہن نشین کر دیا جس کا اثر ابتک جاری ہی اور ایک فرقہ اوسکا قائل ہی اس تقریر سے ظاہر ہے کہ ناسخ التواریخ صفحہ (۶۱۶) کی جلد سوم میں جو لکھا ہے (کہ علی علیہ السلام جو معجزات دکھلائے اور غیب کی خبریں دینے لگے تو ایک جماعت آپ کی الوہیت کی قائل ہوگئی) وہ صحیح نہیں اس لئے کہ ناسخ التواریخ

ہی سے ابھی معلوم ہوا کہ امیر المومنین علیہ السلام بعد قتل خوارج جب واپس تشریف لا رہے تھے اوس وقت ایک جماعت کو دیکھا کہ ماہ رمضان میں کھانے پینے میں مشغول ہیں اون سے دریافت فرمایا کہ تم لوگ مسلمان ہو یا اہلِ کتاب؟ پھر فرمایا کہ اگر اہلِ کتاب ہو تو جزیہ دیکر تکلیفات شرعیہ سے رہائی حاصل کر لو یہ سن کر ابن سبا نے کہا کہ ہم اہلِ کتاب نہیں بلکہ آپ کی الوہیت کے قائل ہیں اوس پر آپ نے اون کے احراق کا حکم دیا۔ اب کہیے کہ اون کو معجزات دیکھنے کی نوبت ہی کب آئی۔ وہ تو نہ حضرت کے لشکر میں تھے نہ کبھی آپنے اون کو دیکھا تھا آپ کو یہ معلوم نہ تھا کہ وہ مسلمان ہیں یا یہودی یہانتک کہ اون کا دین دریافت کرنے کی ضرورت ہوئی۔ غرض کہ اس کا انکار نہیں ہو سکتا کہ ابن سبا یہودی تھا اور یہود کی مخالفت مسلمانوں کے ساتھ اور اون کا سخت دشمنِ اسلام ہونا قرآن شریف سے ثابت ہے جیسا کہ حق تعالےٰ فرماتا ہے ولتجدن اشد الناس عداوۃ للذین اٰمنوا الیھود والذین اشرکوا یعنے یہود اور مشرک سب سے زیادہ مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ وہ ابتدا سے اس تاک میں تھے کہ جس طرح نصاریٰ کے دین کو بگاڑا مسلمانوں کے دین کو بھی بگاڑ دیں اور اون میں تفرقہ ڈالدیں۔ مگر صدیق اکبر اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں اون کو موقع ہاتھ نہ لگ سکا کیونکہ ان دونوں خلافتوں میں اون کے امور پر سخت دار و گیر

ہوا کرتی تھی۔ دیکھئے بعضے قبائل عرب نے صرف یہ کہا تھا کہ ہم زکوٰۃ بارگاہِ
خلافت میں نہ بھیجکر اپنے طور پر ادا کر دیں گے۔ اس پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ
نے صاف حکم دیا کہ اون سے جہاد کیا جائے حالانکہ عمر رضی اللہ عنہ جیسے
سخت گیر شخص نے کہا کہ اوائل خلافت کا زمانہ ہے۔ تالیف قلوب سے
کام لیجئے ایسے خفیف امور پر اتنی سختی مناسب نہیں مگر آپ نے نہ مانا یہانتک
کہ خود اپنی ذات سے مہاجرین وانصار کو لیکر جہاد کے لئے روانہ ہوگئے اور
عمر رضی اللہ عنہ کی بیدار مغزی اور حفظ ماتقدم اور فتنون کا انداد
اظہر من الشمس ہے۔

غرضکہ خلافت اولیٰ اور ثانیہ کے حالات تواریخ میں دیکھے جائیں تو
معلوم ہو کہ ادنیٰ ادنیٰ امور پر خاص قسم کی توجہ مبذول رہتی تھی جس سے کسیکو
فتنہ انگیزی کا موقع ہی نہیں ملتا تھا۔ اس لئے یہود کی دلی عداوت کا کوئی
اثر اوسوقت ظاہر نہ ہو سکا۔ عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں جب مملکت
اسلامیہ کے حدود وسیع ہوئے اور مسلمانوں میں تمول بڑھگیا کیونکہ عثمان
رضی اللہ عنہ پہلے ہی سے غنی تھے اپنی خلافت میں آپ نے سب مسلمانونکو
غنی بنا دیا چنانچہ مروج الذہب میں آپ کی خلافت کے حال میں لکھا ہے
کہ زبیر رضی اللہ عنہ کا ترکہ صرف نقد پچاس ہزار دینار یعنے اشرفی تھا اسکے سوا
ہزار گھوڑے ہزار غلام ہزار لونڈیاں تھیں اس کے سوا زمین مکانات اور

املاک کثرت سے تھے ایک گھر آپ نے بصرہ میں ایسا وسیع بنایا تھا کہ جتنے تجار وغیرہ اطراف وجوانب سے آتے اوسی میں اترتے تھے۔ طلحہ رضی اللہ عنہ کا ایک گھر جو کوفہ میں تھا اوس کے کرایہ کی آمدنی روزانہ ہزار اشرفی تھی اس کے سوا اور بہت سے گھر اور املاک تھے۔ عبدالرحمن بن عوفؓ کے یہاں سو گھوڑے اور ہزار اونٹ اور دس ہزار بکریاں تھیں اور اون کے ترکہ کا ربع ثمن یعنے بتیسواں حصہ کا جو حساب کیا گیا تو چور اسی ہزار درہم ہوئے۔ زید بن ثابت نے اتنا سونا چاندی ترکہ میں چھوڑا کہ کلہاڑیوں سے توڑا جاتا تھا اور زمین وغیرہ املاک کی قیمت لاکھ اشرفی تھی یعلےٰ بن امیہ کا ترکہ نقد پانچ لاکھ اشرفی تھا سوائے قرضہ کے جو لوگوں کے ذمہ تھے اور زمین وغیرہ املاک کی قیمت ایک لاکھ اشرفی تھی انتہیٰ۔

لکھا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی بخشش سے نزدیک اور دور والے برابر مستفید تھے اور ظاہر ہے کہ تمول آدمی کو تعیش اور دنیوی کاموں میں لگا دیتا ہی اس لئے اوسوقت حکومت میں کسی قدر ضعف آگیا۔ چنانچہ ناسخ التواریخ وغیرہ میں لکھا ہے کہ جب علی کرم اللہ وجہہ نے عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے لوگوں کے خیالات ظاہر کئے کہ آپ نے اپنے قرابتداروں کو بہت آسودہ کر دیا ہے تو اونہوں نے جواب میں کہا کہ معاویہ گو میرے قرابت دار ہیں مگر اونکو میں نے مقرر نہیں کیا بلکہ عمر رضؓ نے مقرر کیا تھا۔ علی رضؓ نے کہا آپ نہیں جانتے کہ

معاویہ عمر رضی اللہ عنہ سے اتنا ڈرتے تھے کہ اون کا غلام یرفان بھی اون سے نہیں ڈرتا تھا۔ غرضکہ وہ دار وگیر اسلامی کاموں میں جو پہلے تھی اسوقت نہ رہی اور یہود کو اب موقع مل گیا اور اس کام کے لئے ایک کمیٹی قائم کی جسکا میر مجلس عبداللہ بن سبا تھا کیونکہ اتنا بڑا کام جس کا بُرا اثر لاکھوں پہ پڑے ممکن نہیں کہ ایک آدمی کے کہنے سے سرانجام پاسکے۔

مورخین شیعہ وسنّی کا اس پر اتفاق ہے کہ عبداللہ بن سبا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مسلمان ہوا جس کا مطلب ظاہر ہے کہ منافقانہ اسلام ظاہر کرکے فتنہ انگیزی اور دین میں رخنہ اندازی شروع کی۔ اور ایک جماعت یہود کو اپنے جیسے مسلمان بناکر رخنہ اندازی کی بنیاد ڈالی پہلے بڑے بڑے اسلامی شہروں میں دورہ لگاکر وہاں کے حالات سے واقف ہوا اور جہاں جہاں جیسا موقع ملا حسب مناسبت تعلیم کی۔ مثلاً کہیں یہ بات بنائی کہ جس طرح عیسےٰ علیہ السلام پھر دنیا میں آئینگے محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی آئیں گے۔ یہ تمہید اس بات کی تھی کہ شدہ شدہ عیسیٰ علیہ السلام کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی خدا کا بیٹا وغیرہ قرار دے اور ابتدا ایک ایسے مسئلہ سے کی کہ جو ہمارے دین میں بھی مسلم ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام پھر نزول کریں گے اور کہیں یہ بات بتائی کہ علی رضی اللہ عنہ مرے نہیں جیسا کہ ناسخ التواریخ صفحہ (۶۱) کی جلد سوم میں لکھا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ عبداللہ

ابن سبا کے پاس ایک بڑی جماعت ہو گئی تھی اون کا عقیدہ تھا کہ علی رضی اللہ عنہ
مرے نہیں بلکہ سیر افلاک میں مشغول ہیں چنانچہ رعد و برق اونہیں کی آواز ہے
جب ابر گرجتا ہے تو یہ لوگ (السلام علیک یا امیر المومنین) کہتے ہیں انتہی۔
ابتدا میں اوسکو یہ خیال ضرور ہوا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت
خلاف واقع اعتقادات مسلمانوں میں پیدا کر دیئے جائیں مگر کسی مصلحت سے
اوس پر زور نہ دیا اور اہل بیت کرام کی محبت کو اپنی کامیابی کا ذریعہ بنایا کیونکہ
اوسوقت تک عموماً اہل اسلام اوسکو ضروری سمجھتے تھے۔ رہا فرقہ خوارج جو
اوسے ضروری نہیں سمجھتے سو اون کا وجود علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت میں ہوا
اب ہم چاہتے ہیں کہ اس مقام پر اس حصہ کو ختم کر دیں۔ اگر خدا چاہا تو
آئندہ حصہ ششم میں ابن سبا کے متعلق مفصل حالات اور اوس کی کارگذاریاں
اور فتنہ پردازیاں وغیرہ بیان کرینگے۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ
تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ
رَبِّ الْعَالَمِينَ وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى وَسَلَّمَ عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ
سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ فقط

تمت بالخیر

صحت نامہ مقاصد الاسلام حصہ پنجم

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۴	۱۴	بیج بوتے ہیں	بیج بوتے ہی
۱۶	۳	فریاو	فریاد
۱۷	۱۱	اوالی	والی
۳۹	۱۵	اور	اور
۵۵	۱۶	سفینه	سفینة
۶۲	۱۳	فهایتاع	فهاتیك
〃	۱۷	بکلا	بگلا
۷۰	۶	انفریج	بہ تصریح
۸۱	۶	×	وہی کہا تو عمر نے
۹۳	حاشیہ	ابقاالله	ابقاہ الله تعالیٰ
۹۹	۱۶	وحر	وحرق

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۹۹	۱۶	لمیسعی	لم یسعی
۱۰۰	۱۵	ترکم	ترکہم
۱۰۴	۱۲	ہ	خوارج کے واقعہ کا تفصیلی حال بیان فرمایا تھا کہ فلاں قسم کے لوگ ہو
۱۴۹	۹	آتاکم	اٰتٰکم
۱۴۰	۱۶	الزکر	الذکر
۱۴۲	۸	واتوالزکواة	واٰتوا الزکواة
۱۸۳	۱۴	عزوة	غزوة
۲۱۲	۱	فاعلموا	فاعملوا
〃	۱۴	فاعذروهم	فاحذروهم

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۱۳	۱۴	وبنوره	بنوّره
〃	〃	لبحیر	لیعبّر
۲۱۴	۳	رو	رد
۲۱۷	۵	خلافت	خلافت
۲۲۱	۱۰	بتاوے	بتادے
۲۲۹	۱۷،۱۶	کیسے کیسے	کیسے
۲۳۱	۱۴	[illegible]	[illegible]
۰	۰	۰	[illegible]
۲۲۲	حاشیہ	-	[illegible]
۲۲۵	۱	جلی	علی